پہلی تقریرِ سیرت

از

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رح

دینی بکڈپو، اردو بازار دہلی

نواں ایڈیشن

قیمت دو روپے روپیہ پچاس پیسے

مطبوعہ

ہندوستان لیتھو پریس دہلی

سنہ ۱۹۷۱ء

فہرست مضامین پہلی تقریر سیرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۝

ترجمہ:۔ اے لوگو! تمہارے پاس خدا کا رسول حق لیکر آچکا ہے تم اس پر ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتر ہو اور اگر تم ایمان نہ لائے اور حسب دستور کفر پر قائم رہے تو اللہ تعالےٰ زمین و آسمان کا مالک ہے اس کو تو تمہارے کفر سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا البتہ تم کو ہی نقصان پہنچ جائے گا۔ اور اللہ تعالےٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔

صدر محترم! اور معزز حاضرین!

روحانی اور جسمانی تربیت

آپ حضرات میں سے غالباً اس بات کا کوئی بھی منکر نہ ہوگا کہ اس عالم کائنات کی ہر ایک چیز انسان کے منافع اور انسان کی ضرورت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسکے علاوہ خواہ عالم حیوانات ہو یا نباتات یا عالم جمادات و معدنیات سب کو اسی اشرف المخلوقات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ میں تو عرض کرتا ہوں کہ عالم ارضی و سفلی کے علاوہ عالم علوی بھی انسانی اغراض کے ماتحت ہی پیدا کیا گیا ہے اور حق جل مجدہ نے اس تمام کائنات کا ذرہ ذرہ انسان کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔ عالم علوی ہو یا عالم سفلی جس کو دیکھئے انسان کے کام میں لگا ہوا ہے علوی اور سفلی

کا وہ مفہوم نہیں ہے جس کو آجکل کے جاہل لوگ جو گنڈے تعویذ کے بہت معتقد ہیں سفلی اور علمی کہا کرتے ہیں، یا آپکی نادان عورتیں جو صبح سے شام تک برقعہ پھڑکاتی مزاروں پر منتیں مانتی پھرا کرتی ہیں وہ کہا کرتی ہیں میرے بچے پر کسی نے سفلی کر دیا ہے یا میری سوکن نے مجھے لونگیں کھلا دی ہیں۔ یا ان عورتوں کا ایک مقولہ مشہور ہے سفلی کی کاٹ سفلی سے اور علمی کی کاٹ علمی سے۔ اس قسم کے توہمات پرست علمی سے مراد تو وہ تعویذ لیتے ہیں جو جادو یا سحر سے تعلق نہ رکھتے ہوں بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو یا کوئی نقش ہو اور سفلی سے انکی مراد جادو یا سحر ہوا کرتا ہے اسلئے انکے مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ جادو کا اتار تو جادو ہی سے ہو سکتا ہے اور علمی تعویذ گنڈے کا اثر تعویذ گنڈوں سے ہی زائل ہو سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا اکثر لوگ مرگھٹ کی مٹی اور پرانی قبروں کی خاک تلاش کرتے ہوئے نظر آیا کرتے ہیں یہ سب سفلی والے اور جادو ٹونہ والے ہوتے ہیں جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ کسی پر ہنڈیا پھنکوا دی، کسی کے نام کا پتلا بنا کر اس میں سوئیاں گھسا دیں اس فن کا نام ان کی اصطلاح میں سفلی ہے۔ میرا مطلب اس سفلی اور علمی سے نہیں ہے نہ میں اس وقت اس بحث میں مبتلا ہونا چاہتا ہوں کہ یہ سفلی اور علمی کا ڈھونگ کیوں رچایا گیا ہے اور یہ پیشہ ور سفلی اور پیشہ ور علمی جاہل غرباء کو کس طرح لوٹتے اور تباہ کرتے ہیں۔ میرا مطلب تو عالم علوی سے عالم بالا ہے اور عالم سفلی سے مراد عالم ارضی و خاکی ہے اور میرا مقصد صرف اسقدر ہے کہ عالم بالا کے تمام کرّے اور عالم خاکی کا ہر ذرہ انسان کے منافع اور انسانی اغراض کے لئے خلق کیا گیا ہے۔

عالم بالا کی خدمات آپ میں سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ

چاند سورج آپ کی خدمت میں مصروف نہیں ہیں کیا یہ چھوٹے چھوٹے تارے
حضرت حق نے بیکار پیدا کئے ہیں۔ کیا آپ کے پھولوں اور پھلوں کے رنگ
و خوشنمائی اور مہک و خوشبو میں ان تاروں کی خدمت کا کوئی اثر نہیں ہے
آپ نے گلستاں تو پڑھی ہوگی۔ آج کل تو فارسی کے مٹ جانے سے گلستاں
کا نام ہی لوگ بھول گئے اور فارسی کیا بھائی اس ملک میں سے تو اُردو بھی
مٹائی جا رہی ہے۔ اُردو ہی کے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں تو بیچاری
فارسی کس گنتی میں ہے۔ کبھی پرانے مکتبوں میں فارسی پڑھائی جاتی تھی لیکن
ان مکتبوں کو یہ پرائمری اسکول کھا گئے۔ ان پرائمری اسکولوں نے مکتبوں
ہی کو نہیں کھا کر ہضم کر لیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سکول مسلمانوں کی اصلی تہذیب
تعلیم کے لئے دشمن جان ثابت ہوئے اور بھائی جان اگر یہ پرانے ٹائپ کے
مولوی ملا دینی مدارس کو تمہاری دست و برد سے نہ بچا لیتے تو عربی بھی رخصت
ہو چکی ہوتی۔ وہ تو اللہ تعالےٰ ان مولویوں کا بھلا کرے، بیچارے برا بھلا سنتے
ہیں۔ لوگوں کے طعنے برداشت کرتے ہیں، چندہ طلب کرنے کے موقع پر کڑوی
کسیلی باتیں بھی سن لیتے ہیں لیکن اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور بیچارے
علم دین پڑھا رہے ہیں۔ اگر یہ علماء کمر بستہ نہ ہو جاتے تو تم تو عربی کو دفن
کر کے مٹی بھی دے چکے ہوتے۔ تمہارا طرز عمل تو یہ ہو گیا ہے۔

جہاں دیکھا توا پرات وہیں گزاری ساری رات

جو تہذیب دیکھی وہی اختیار کر لی جہاں گئے وہیں کے ہو لئے جسکو
ذرا فیشن ایبل دیکھا اس کا فیشن اختیار کر لیا۔ غرض جس کی جو بات آپکی نظر میں
اچھی معلوم ہوئی وہی لے بھاگے۔ حالانکہ آپ ایک مستقل تہذیب کے مالک ہیں
آپکا ایک مستقل کلچر ہے۔ ایک مستقل تمدن کے آپ مالک ہیں۔ آپ دنیا کو اپنے

پیچھے چلاتے آئے ہیں یا دنیا کے پیچھے چلنے کو آئے ہیں۔ تم کو کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کون ہو؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس تہذیب کے زندہ مرقعے اور چلتی پھرتی تصویریں تم ہی تو ہو۔ تم اور یورپ کی تقلید، تم اور ایشیا کی تہذیب، تم اور ایرانی و ہندوستانی تمدن، تم عالم میں ایک بالاترین تہذیب کے مالک بنا کر بھیجے گئے ہو۔ بالاترین تمدن کے مالک ہونے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی کہ تم بدترین تہذیب و تمدن کی اتباع کرتے ہو۔ یورپ کو ڈاڑھی منڈاتے دیکھا تم بھی ڈاڑھی منڈانے لگے۔ کرزن وائسرائے بن کر آیا تو اس کی دیکھا دیکھی مونچھیں بھی منڈوا بیٹھے۔ یہ کرزن فیشن اور انگریزی بال یہ الفاظ ہی اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ وضع قطع اسلامی نہیں بلکہ غیر اسلامی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کا یہ تمدن نہیں ہے بلکہ ان کے مخالفین کا یہ تمدن ہے اور اب تو ہمارے نوجوانوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ ڈاڑھی کا ذکر کرو تو بُرا مانتے ہیں ایسے علماء کو بُرا خیال کا مولوی بتاتے ہیں لیکن میں تو عرض کیا کرتا ہوں کہ جناب مجھے آپ کی مونچھوں یا ڈاڑھی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ مجھے تو آپ کے وقت سے ہمدردی ہے۔ اس شیو کے قصے میں وقت بڑا خرچ ہوتا ہے۔

ڈاڑھی منڈانے کی مشین

اگر آپ یورپ سے کوئی ایسی مشین منگوالیں کہ اس میں ٹھوڑی دیدی اور تھوڑی ہی دیر میں گھٹ گھٹا کر نکل آئی تو میرے اعتراض کی حیثیت بدل جائے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل وقت کی کس قدر قدر کی جاتی ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ بدترین سمجھے جاتے ہیں۔ اگر آپ بھی وقت کی عزت کریں اور ایک مشین شیو کے لئے یورپ سے منگالیں اور زیادہ سے زیادہ دو منٹ اس کام میں خرچ کیا کریں تو آپ کا وقت بہت بچ جائے گا۔ سنتے ہیں

ایک زمانہ میں سر مونڈنے کی مشین یورپ نے ایجاد کی تھی۔ اس میں کھوپڑی گھسا دی جاتی تھی جو منڈ کر نکل آتی تھی لیکن ایک دفعہ اس کا پیچ زیادہ کس جانے سے کسی صاحب کی کھوپڑی کی کھال ہی اڑ گئی۔ جب سے اس مشین کا رواج بند ہو گیا۔ اس قسم کی چیز ہو جایا کرتی ہے آخر تو مشین ہی ہے جب ہی تو ہم کہا کرتے ہیں کہ گراموفون میں قرآن شریف کا بھرنا یا سننا دوسری چیزوں کے مقابلہ میں بدترین گناہ ہے۔ کیونکہ بسا اوقات یہ مشین بجتے بجتے ایسی بھیانک آواز نکالتی ہے کہ لوگ بیساختہ ہنس پڑتے ہیں۔ جب سوئی موٹی ہو جاتی ہے تو ایسی آواز نکلتی ہے کہ الفاظ بالکل مسخ ہو جاتے ہیں ایک دفعہ مرزا داغ کی مشہور غزل گائی جا رہی تھی ؎

دل لے ہی چلے نازسے شوخی ہی ہنسی سے   اب آنکھ بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے

بلا پر پہنچ کر مشین خراب ہوئی تو لا۔ لا کو ایسا کھینچا کہ سب لوگ ہنس دئے اب آپ خیال کیجئے کہ ریکارڈ میں قرآن شریف بھرا ہوا ہو اور قِیامًا پر اَلاءِ رَبِّکُمَا پر مشین بگڑ جائے۔ جیسا کہ ایک دفعہ ایسا ہی ہوا۔ آلاء پر مشین خراب ہوئی اور اس نے آلاء کو اتنا کھینچا کہ لوگ ہنس پڑے۔ میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کہ جو لوگ قرآن شریف پر ہنستے ہیں انکا کیا حکم ہے۔ اور میں دریافت کرتا ہوں کہ کیوں صاحب اب قرآن کا یہ ادب و احترام رہ گیا ہے کہ وہ لہو و لعب کے مزامیر کی مشینوں میں بھرا جانے لگا جس قرآن شریف کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا بھی جائز نہ ہوا سکو کھیل تماشہ کی مشینوں میں بھرنا اور ہر فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں اسکا استعمال کیا جانا یہ کلام الہی اور کلام مبین کی توہین نہیں ہے؟ اے عقلمندو اللہ تعالی کی پاک کتاب پر استہزا کرنا یا اسکی توہین کرنا تو کفر ہے۔ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے اور تمہاری فکر سلیم کو کس نے سلب کر لیا ہے۔

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْد کیا تم میں کوئی شخص بھی سمجھدار نہیں ہے۔

مسلمانوں کے تیوہار

میں نے ابھی آپ سے عرض کیا ہے کہ آپکی تہذیب اور آپ کی تعلیم اور آپ کا کلچر تمام دنیا کی قوموں سے جدا ہے۔ آپ اور تمام باتوں کو جانے دیجئے میں آپ سے صرف اسوقت ایک بات عرض کرتا ہوں۔ آپ نے دنیا کی قوموں کے تیوہار اور میلے تماشے دیکھے ہوں گے۔ آپنے ہولی دیوالی کی سیر کی ہوگی، کرسمس دن بھی دیکھا ہوگا۔ یہاں پارسی نہیں ہیں ورنہ ان کا نوروز بھی آپنے دیکھا ہوتا۔ دنیا کی دوسری غیر مسلم قومیں جو ہندوستان سے باہر آباد ہیں ان کے میلے تیوہار کا ذکر بھی آپ اخبارات میں پڑھتے ہونگے۔ تمام قوموں کے تیوہاروں میں کھیل ہے، کود ہے، گانا بجانا ہے اُچھلنا ہے ناچنا ہے۔ بالخصوص ہولی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ تو کسی مسلمان پر مخفی نہیں ہے۔ ہولی کے دن میں تو وہ اودھم مچتا ہے کہ کسی بھلے آدمی کا بازاروں میں چلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ رنگ کی وجہ سے ہر شخص کا منہ ایسا خوفناک ہوجاتا ہے کہ دیکھنے سے طبیعت گھبراتی ہے پھر مختلف رنگ کی پچکاریاں جو استعمال کی جاتی ہیں ان کا کپڑوں پر جو کچھ اثر ہوجاتا ہے وہ ظاہر ہے بازاروں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔

یہی حال دوسری قوموں کے تیوہاروں کا ہے۔ اب میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ سال میں آپکے کتنے تیوہار ہیں؟ سال بھر میں مسلمانوں کے صرف دو ہی تو تیوہار ہیں ایک عید الفطر اور ایک عید اضحیٰ۔ یوں منانے کو آپ پچاس تیوہار منائیں لیکن جب پڑھے لکھے لوگوں میں گفتگو ہوگی، اور آپ سے دریافت کیا جائیگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے خوشی منانے کے لئے کتنے تیوہار مقرر کئے ہیں تو آپ کو یہی کہنا پڑیگا کہ صاحب صرف اصلی تیوہار تو دو ہی ہیں۔ گفتگو تو مذہب

کی جب کبھی ہوگی اللہ اور اس کے رسول کا ہی نام لیا جائیگا۔ یا آپ کے دادا
کا قول حجت میں پیش کیا جائے گا۔ آپ کا کیا ہے آپ تو شب برات کو بھی
تیوہار کہتے ہیں۔ آپ تو محرم کو بھی تیوہار کہتے ہیں آپ کے نزدیک تو بارہ وفات
بھی تیوہار ہے۔ آپ کے نزدیک تو آخری چہار شنبہ بھی تیوہار ہے۔ غرض آپکے
تو آٹھ دن میں نو میلے ہوتے ہیں۔ آپ کے تیوہاروں اور میلوں کا کون ذمہ دار
ہوسکتا ہے۔ یاد رکھئے قیامت میں وہی چیز معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اسکے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوگی اور جو رسوم تمہاری خانہ ساز ہونگی وہ
تمہارے ہی منہ پر مار دی جائینگی۔ دنیا میں جس سکہ پر سرکاری مہر نہ ہو وہ بازار میں
نہیں چلتا اگر میں آپکو ایک کاغذ دوں جو آپ کے نوٹ کے کاغذ سے بہترین کاغذ
ہو آج کل نوٹ میں تو گدی کا کاغذ استعمال کیا جا رہا ہے مگر میں آپکو بہت دبیز
اور چکنا کاغذ دیکر کہوں کہ اس کاغذ کے پانچ روپے لے آئیے تو کیا آپ کو
کوئی روپے دیدیگا یا آپ کو گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کر دیا جائیگا؟ اگر بازار میں کوئی
کاغذ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو بدون گورنمنٹ کی مہر کے نہیں چل سکتا تو
قیامت میں کوئی عمل خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر صاحب شریعت کے
اس پر دستخط نہ ہوں تو کس طرح مقبول ہو سکتا ہے۔

عید اضحیٰ اور عید الفطر

بہر حال جب کبھی شریعت اور صاحب شریعت کا نام آئے گا تو یہ امر تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانو
کے مذہب میں خوشی منانے کے دو ہی دن ہیں۔ اچھا اب ذرا ان دونوں کی
کیفیت ملاحظہ کیجئے۔ عام دنوں میں تو پانچ وقت کی نماز اور تیوہار کے دن
چھ وقت کی نماز۔ یہ لیجئے تیوہار میں ایک دن کی نماز ہی اور بڑھ گئی۔ ابھی صبح
کی نماز پڑھ کر آئے بیٹھے کہ کسی نے کہا چلئے حافظ جی! ارے بھئی کہاں چلیں

اس نے کہا آپ کو معلوم نہیں آج تیوہار کا دن ہے ایک نماز اور پڑھنی ہوگی غرض غسل کیا کپڑے بدلے خوشبو لگائی اور مسلمان مکان سے تیوہار منانے نکلے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کسی کے گلے میں ڈھولکی ہے، گاتا ہے، بجاتا ہے، کسی کے ہاتھ میں پچکاری ہے؟ کسی نے کسی پر گوبر پھینکا، کیچڑ اُچھالی یا گالی دی؟ رنگ پھینکا، بلکہ مسلمان تیوہار منانے نکلا تو اس شان سے نکلا کہ ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد عیدگاہ پہنچے امام کا انتظار کیا، امام صاحب تشریف لائے صف بندی ہوئی اور دونوں کی نماز میں تو ایک ہی تکبیر اور تیوہار کے دن اللہ اکبر اللہ اکبر تین تین تکبیروں اور زائد۔ امام نے کہا اللہ اکبر تو ہزاروں انسانوں نے اپنی کمر اور اپنی پیٹھ خدا کے سامنے جھکا دی اور سبحان ربی العظیم کہنا شروع کیا اور جب اس نے سجدے کی تکبیر کہی تو ہزار ہا پیشانیاں معبود برحق کے سامنے خاک پر رکھ دی گئیں اور سب نے کہا سبحان ربی الاعلیٰ دیکھا مسلمانوں کا تیوہار اب انصاف سے بتاؤ یہ تیوہار کسی قوم سے ملتا ہے کوئی قوم دنیا کی اتنا مہذب تیوہار مناتی ہے۔ اس روشنی اور تمدن کے زمانے میں جب دنیا کی غیر مہذب قوموں نے اپنی بہت کچھ اصلاح کر لی ہے تب بھی یہ تہذیب کسی کو میسر نہیں ہوئی جب تم اتنی بلند اور عالی مرتبہ تہذیب کے مالک ہو تو تمہارا جوڑ دنیا کی کسی قوم سے کیسے لگ سکتا ہے۔ تم کسی میں جذب ہو سکتے ہو؟ یا تم دنیا کی کسی قوم کے پیچھے چل سکتے ہو؟ یا تم کسی کی رسم اختیار کر سکتے ہو؟ مسلمان اور یورپین فیشن؟ مسلمان اور ہندو تہذیب؟ مسلمان اور ایرانی تہذیب؟ مسلمان اور مصری تہذیب؟ دنیا کو تہذیب سکھانے والے انسان تجھے خبر ہے کہ تو آج کہاں ہے۔ مسلمان اور تھیٹر مسلمان اور سینما مسلمان اور تماشا۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو   تو کجا بہر تماشہ میروی

تم تو دنیا کے لئے خود تماشہ ہو تمہارا تاریخی انقلاب تو ایک ایسا دردانگیز تماشہ ہے کہ جس راہ میں تم بیٹھ جاؤ ہزاروں تماشائی تمہیں دیکھنے کھڑے ہو جائیں۔ اگر اپنی گزشتہ تاریخ تمہیں یاد ہو تو تم خود اس امر کا احساس کر سکتے ہو کہ تم خود ایک مستقل تماشہ گاہ عبرت ہو، کیا جو قوم کبھی قیصر کسریٰ کے خرمنوں کی مالک تھی وہ آج روٹیوں سے محتاج نہیں ہے؟ کیا جو قوم کبھی ایشیا اور یورپ کے بہت بڑے رقبے پر حکمراں تھی وہ آج غلام نہیں ہے؟ کیا جو ہزاروں کا پیٹ بھرا کرتے تھے وہ آج دانے دانے کو محتاج نہیں ہیں۔ کیا مغل بادشاہوں کا تاج آج دوسرے فرمانرواؤں کے سر پر نہیں ہے۔ کیا مسلمان قوم کا یہ شاندار انقلاب اہل عبرت و اہل بصیرت اور اولی الابصار کی نظروں میں تماشا نہیں ہے۔ تم تو خود ایک بہت بڑے سینما کی متحرک مگر زندہ تصویریں ہو کاش خدا تم کو سمجھ دیتا اور تم سمجھتے کہ تم کون ہو؟

میرے عزیزو! جس قوم کے تیوہار وسیلے کی یہ شان ہو اور جس قوم کے تیوہاروں میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور بلندی کا یہ شاندار مظاہرہ کیا جاتا ہو بھلا اس قوم کی عبادت اور خدا پرستی کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

خیال کن ز گلستان من بہار مرا

غرض میں نے جناب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے گلستاں بھی پڑھی ہے۔ گلستاں میں ایک بہت بڑے ریفارمر نے عالم علوی کی ان خدمات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

برہمہ عالم ہمی تابد سہیل   جائے انباں میکند جائے ادیم

سہیل جو عالم علوی کا ایک مشہور کرہ ہے اسکے اثرات بتاتے ہیں کہ جب

وہ طلوع ہوتا ہے تو یمن کے بعض علاقوں میں لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر چمڑے کی کھالیں بچھا دیا کرتے ہیں جن میں اس تارے کی روشنی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک قسم کی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خوشبودار چمڑا روسیا اور سرایہ دار لوگ استعمال کرتے ہیں سہیل تارے کا یہ اثر مشہور ہے کہ ایک طرف اس کی روشنی کا یہ اثر ہے کہ دباغت دیئے ہوئے چمڑے میں خوشبو پیدا کر دیتا ہے اور دوسری طرف اس کا یہ اثر ہے کہ اگر اونٹ اس تارے کو دیکھ لیتا ہے تو مر جاتا ہے۔
حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے عالم علوی کی خدمت کا تذکرہ ایک اور مقام پر بھی کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

حضرت سعدی نے کس خوبی کے ساتھ ایک ہی مصرع میں عالم علوی کی اکثر چیزوں کو گنوا دیا ہے۔ کیا آپکو معلوم نہیں ہے کہ چاند رطوبت مہیا کرنیکا اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنا آفتاب خشکی اور گرمی پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ابھی اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ دسمبر کے مہینے میں جو حالت تھی وہ آج جولائی میں نہیں ہے چھ مہینے میں اتنا زبردست انقلاب ہو کہ جب تک چار سیر کا روئی کا لحاف نہ ہو چین نہ آئے اور اب یہ کیفیت ہے کہ باریک سے باریک کپڑے بھی جسم کو کھائے جاتے ہیں۔ آخر یہ کس کا اثر ہے۔

عالم علوی اور عالم سفلی کی ان خدمات کا تذکرہ حضرت حق نے قرآن میں بھی فرمایا ہے لیکن تم کو قرآن سے مناسبت کہاں ہے جو میں تم کو قرآن سناؤں۔ چونکہ آجکل بات بات میں ریفارمر اور فلاسفر آپکی زبان پر چڑھا رہتا ہے اسلئے میں نے بھی ایک مشہور فلاسفر کی مشہور کتاب کے دو تین شعر آپکو سنا دیئے ورنہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ قرآن کریم میں نہایت صراحت کیساتھ موجود ہے۔

عالم علوی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وسخر لکم الشمس والقمر دائبین — چاند اور سورج کو ایک خاص پروگرام کے
وسخر لکم اللیل والنہار — ماتحت تمہارے کام میں لگا دیا ہے اور رات
(دیکھئے سورۂ ابراہیم تیرہواں پارہ) — و دن کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۔

جس طرح عالم سفلی کی بعض بعض اشیاء کا اختیار تمہارے قبضے میں دے دیا گیا ہے اسطرح عالم علوی کا اختیار آپکے قبضے میں نہیں دیا ہے کیونکہ اگر سورج کا نکالنا یا غروب کرنا جناب کے قبضے میں دیدیا جاتا تو آپ کسی دن سات بجے کی بجائے آٹھ بجے سورج نکالتے۔ آپ تو آٹھ بجے سوتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی دن آنکھ لگ جاتی اور طلوع آفتاب میں آدھ گھنٹے کی دیر ہو جاتی تو دنیا میں اندھیر ہو جاتا اسلئے انتظام تو اپنے قبضہ میں رکھا ہے لیکن آفتاب و ماہتاب کام آپکا ہی کر رہے ہیں، سورۂ نحل میں فرماتے ہیں:-

وسخر لکم اللیل والنہار والشمس — رات دن اور چاند سورج اور تارے اللہ تعالیٰ
والقمر والنجوم مسخرات بامرہٖ — کے حکم سے تمہاری خدمات کے لئے مسخر ہیں

سورۂ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے:-

لا الشمس ینبغی لہا — عالم علوی کے تمام کروں کی تسخیر کا یہ عالم ہے کہ نہ تو سورج چاند کو
ان تدرک القمر ولا — پکڑ سکتا ہے اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے بڑھ جائے
اللیل سابق النہار — بلکہ عالم علوی کا ہر کرہ اپنے اپنے محور کے گرد گھومتا رہتا ہے۔

بادل اور ہوا۔ بارش اور اسکے اثرات کا تذکرہ اور انکی تسخیر و خدمات کا جہاں

لہ اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن

لہ اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں اسکے حکم سے

لہ نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑے چاند کو اور نہ رات آگے جائے دن سے۔

ذکر کیا ہے اسکو عجیب انداز سے تعبیر فرمایا ہے دوسرے پارے میں ارشاد فرماتے ہیں :-

وتصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض۔ [1] ہواؤں کا چلنا اور آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کا معلق رہنا۔

آٹھویں پارے میں فرماتے ہیں :-

وھو الذی یرسل الریح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات۔ [2] حضرت حق جل مجدہٗ کے حکم سے بارش کی بشارت دینے والی ہوائیں چلتی ہیں جب پانی اور بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم خشک زمینوں پر اس سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی کی وجہ سے ہر قسم کے پھل اور کھانے کی چیزیں پیدا کرتے ہیں۔

سورۂ واقعہ کے درمیانی رکوع میں ارشاد فرماتے ہیں :-

افرأیتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون۔ [3] تم جو پانی پیا کرتے ہو کبھی اس پر غور نہیں کرتے اس پانی کو بادلوں سے تم برساتے ہو یا ہمارے حکم سے برستے ہیں۔

عالم سفلی کے مسخرات

عزیزان ملت! ان آیتوں کے علاوہ قرآن میں اور بیشمار آیتیں ہیں جو عالم علوی کی تسخیر اور بنی نوع انسان کی خدمات پر دلالت کرتی ہیں کہیں عالم علوی اور عالم سفلی کو ملا کر

---

[1] اور پھیرنا بادلوں کا اور ابر جو حکم کا تابع ہے درمیان آسمان اور زمین کے۔ [2] اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں خوشخبری لائیں آگے اسکی مہر سے یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بدلیاں بھاری ہانکا ہم نے اسکو شہر مردے کی طرف پھر اسمیں سے اتارا پانی پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل [3] بھلا دیکھو تو پانی جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے

بیان کیا ہے اور کہیں دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔

الم تروا[1] ان اللہ سخر لکم مافی السموت ومافی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ (دیکھیے سورۂ لقمان کا تیسرا رکوع)

کیا تم اس پر توجہ نہیں کرتے کہ میں نے زمین وآسمان کی تمام اشیاء کو تمہارے لئے مسخر کردیا ہے اور تم پر ظاہر اور باطنی انعامات کی تکمیل کردی ہے۔

ایک جگہ اسی سورت میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

الم تر[2] ان الفلک تجری فی البحر بنعمت اللہ لیریکم من آیتہ۔

اے مخاطب دیکھتا نہیں کہ دریاؤں کی تسخیر کے باعث کشتیاں کس طرح دریاؤں میں چلتی ہیں۔

حیوانات کی تسخیر وتذلیل کیلئے سورۂ یٰسین کا آخری رکوع ملاحظہ کیجئے:۔

الم یروا[3] انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون وذللنٰھا لھم فمنھا رکوبھم ومنھا یاکلون ولھم فیھا منافع ومشارب افلا یشکرون۔

کیا لوگ اس بات پر توجہ نہیں کرتے کہ وہ چوپائے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ان کی ملک میں دیدیئے ہیں اور ان چوپایوں پر انکا قبضہ کرادیا ہے اور یہ لوگ جس طرح چاہتے ہیں انکو استعمال کرتے ہیں سواری لیتے ہیں بعض کا گوشت کھاتے ہیں انکا دودھ پیتے ہیں اور مختلف منافع حاصل کرتے ہیں اور باوجود ان احسانات کے ہمارا شکریہ نہیں ادا کرتے۔

---

[1] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان وزمین میں اور بھردیں تمکو اپنی نعمتیں کھلیں اور چھپیں۔ [2] تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمتیں لیکر کہ دکھاوے کچھ تمکو اپنی قدرتیں۔ [3] کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہمنے بنادئے انکو اپنے ہاتھوں بنائے چوپائے پھر وہ انکے مالک ہیں اور عاجز کردیا انکو انکے آگے پھر ان میں کوئی ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور انکو ان میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔

سورۂ نحل میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون وتحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا بالغيه الا بشق الانفس۔[لہ]

حضرت حق نے ان چوپایوں کو تمہارے آرام کیلئے پیدا کیا ہے۔ تمہارے لئے عزت کا موجب ہیں تم ان پر سامان اور بوجھ لاد کر ایسے ایسے مقامات پر لیجاتے ہو کہ اگر یہ چوپائے نہ ہوتے تو تمکو ان مقامات پر سامان لیجانے میں سخت دشواریوں اور صعوبت کا سامنا تھا۔

حضرات! میں دریافت کرنا چاہتا ہوں یہ گائے یہ بھینس۔ یہ بکری اور اونٹ آپکا کام نہیں کرتے؟ کیا یہ پرند اور چرند آپ کی خدمات انجام نہیں دیتے۔ رات کو آپ سو جاتے ہیں لیکن آپکی بھینس آپ کیلئے رات بھر دودھ تیار کرتی رہتی ہے۔ جب صبح کو آپ اٹھتے ہیں تو اسکے دودھ بھرے ہوئے تھن آپ سے سفارش کرتے ہیں کہ تشریف لائیے اور اپنا بلٹو یا لوٹا یا کٹوری ہمسے بھر لیجئے۔ اسی کو حضرت حق نے ارشاد فرمایا ہے۔

وان لكم في الانعام لعبرة نسقيكم مما في بطونها من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربين۔[تہ]

کیا یہ مرحیکم نتیجہ خیز ہے کہ گوبر اور خون کے درمیان سے بہترین دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کو انتہائی لطف دیتا ہے اور وہ مزے لیکر پیتے ہیں۔

پھر ان جانوروں کی تسخیر میں ایک عجیب چیز آپکو نظر آئیگی جسقدر زیادہ طاقتدار جانور ہے اسی قدر اسکی تسخیر سہل ہے۔ گھوڑے کیلئے آپکو لگام کی ضرورت ہے راسوں کی ضرورت ہے۔ ایک طاقتدار کوچوان کی ضرورت ہے جو اسکی شرارت کا

لہ اور چوپائے بنا دیئے تم کو انہیں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تمکو ان سے رونق ہے جب شام کو پھر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر۔ تہ اور تم کو چوپایوں میں بوجھ کی جگہ ہے پلاتے ہیں ہم تمکو اسکے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو۔

مقابلہ کرسکے لیکن اونٹ جو اس سے بڑا جانور ہے اسکی تسخیر کا یہ عالم ہے کہ صرف ایک نکیل کافی ہے۔ ایک بچے کے ہاتھ میں نکیل دیدیجئے وہ سو اونٹوں کی قطار کو بے تکلف لئے چلا جائیگا۔ ہاتھی کو ملاحظہ کیجئے جو سب سے زیادہ طاقتور جانور ہے وہاں نہ نکیل ہے نہ لگام ہے بلکہ وہ باوجود ہمہ ڈیل ڈول کے صرف پاؤں کے اشارے سے چلتا ہے، دوڑتا ہے، اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ بھینسا اور بیل ایک ناتھ کے ساتھ مسخر کر دئیے گئے ہیں۔ غرض کائنات کی جس شے کی طرف نظر ڈالئے وہ آپکی مطیع و منقاد اور آپ کی ہی خدمت گذار ہے اور اگر جناب کو میری اس رائے سے اتفاق نہیں ہے تو کیا آپ اس کیلئے تیار ہیں کہ ان حیوانات میں سے کوئی جانور آپ سے واپس کر لیا جائے کیا آپ اس کیلئے آمادہ ہیں کہ گائے آپ سے چھین لی جائے یا بھینس کی پیدائش بند کر دی جائے۔ یا عالم علوی کا کوئی کرہ چاند یا سورج آپ سے سلب کر لیا جائے لیکن اگر آپ اس کیلئے تیار نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں اور آپ تیار بھی کیسے ہوسکتے ہیں۔ جب آپکی حالت یہ ہے کہ بارش کو ذرا سی تاخیر ہو جاتی ہے تو آپ بلوں بلوں کرنے لگتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹی سی چیز بھی آپ سے لے لی جائے تو آپ کو زندگی بسر کرنی مشکل ہو جائے۔

گذارش کا خلاصہ

میرے عزیزو! میری گذارش کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ جس طرح پروردگار عالم نے یہ تمام اشیاء آپ کی تربیت جسمانی کے لئے پیدا کی ہیں اسی طرح آپکی روحانی پرورش اور روحانی تربیت کا بھی سامان مہیا کیا ہے یہ کس طرح ممکن تھا کہ جسم انسانی جو ایک دن یقیناً فنا ہونیوالا اور خاک میں مل جانے والا ہے اس کی تربیت کا سامان تو اتنے وسیع پیمانہ پر کیا جائے لیکن روح انسانی جو لطیفۂ ربانی ہے اور جملہ امور کی ذمہ دار اور جوابدہ ہے اسکی تربیت و اصلاح کی طرف سے بے اعتنائی

برتی جائے۔ ایک موٹی سی عقل کا انسان بھی جانتا ہے کہ جسم کیا ہے، آنے والی موت کا ایک لقمہ ہے جسم اُس تیر کا ایک ہدف اور نشانہ ہے جو موت کی خاموش کمان سے بلا تعیین وقت نکلتا ہے اور بے خطا ہو کر نکلتا ہے جب رُوح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے تو کوئی اس جسم کو نذر آتش کر دیتا ہے، کوئی پیوند خاک بنا دیتا ہے اور کوئی اس جسم کو چیلوں اور گدہوں کی خوراک بنا دیا کرتا ہے۔ بہرحال ایک عزیز سے عزیز اور محبوب سے محبوب انسان کو بھی مرنے کے بعد کوئی گلے سے لگا کر نہیں رکھتا۔ اگرچہ ہمارے ہاں کی بعض جاہل عورتیں کہا کرتی ہیں کہ ذرا دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ جب لوگ جلدی کرتے ہیں کہ لاؤ میت کو دو قبرستان لیجانے میں تاخیر ہو رہی ہے تو یہ کہا کرتی ہیں اے ہے کیا جلدی پڑی ہے ذرا دنیا کی ہوا تو کھا لینے دو۔ لیکن ان عورتوں کو اسلام کی تعلیم کا کیا پتہ ہے، عورتیں تو عورتیں میں تو عرض کرتا ہوں مردوں کو بھی اسلامی تعلیم کی خبر نہیں۔

دفن میں تعجیل صاحبو! اس جہالت کا بُرا ہو شریعت نے جہاں تعجیل کا حکم دیا ہے وہاں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ بعض مُردوں کو چوبیس اور چھتیس گھنٹے کے بعد دفن کرتے ہیں۔ اوّل تو کسی کا دم نکلا اور رونا شروع ہوا۔ جو ڈولی آ کے اُتری اور ان عورتوں نے گلے لگ کر رونا اور بیان کرنا شروع کیا۔ ابھی آپا سے گلے لگ کر روئیں تھوڑی دیر میں اماں کی ڈولی آئی ان سے گلے لگ کر روئیں پھر بھابی آئیں ان سے گلے لگ کر روئیں تین چار گھنٹے تو رونے میں گذر گئے اور جو کسی کا مغرب کے وقت دم نکلا تو رات بھر کا رونا سمجھئے۔ چار پانچ گھنٹے گذرنے کے بعد تجہیز و تکفین کی فکر ہوئی۔ پانی گرم ہوا، کفن کا کپڑا آیا نئے مٹکے اور نئی ٹھلیاں کوری بدھنیاں منگائی گئیں۔ گھر کے برتن بھلا مُردے کے کام میں کس طرح استعمال ہو سکتے ہیں۔ تین چار گھنٹے اس میں لگ گئے۔ اب

نہلانے والا یا نہلانے والی نہیں ملتی۔ کچھ تو خیر سے ایسے ہیں جن کو اپنا ہی غسل کرنا نہیں آتا وہ مردے کو کیا نہلائیں گے جو مہینہ مہینہ بھر خود ہی ناپاک پھرتے ہوں وہ میت کے غسل سے کیا خاک واقف ہوں گے۔ رہے نمازی مسلمان جن کو غسل آتا ہے اور جو پاک وصاف رہا کرتے ہیں ان سے کہو کہ میت کو غسل دیدیجئے تو وہ فرماتے ہیں بھائی میت کا معاملہ ہے کوئی انیس ابیس ہو جائے اور ہم گناہ میں پکڑے جائیں گے۔ اب غسال کا انتظار ہو رہا ہے خدا خدا کر کے نہلانے والا دستیاب ہوا، اور پورے آٹھ دس گھنٹے میں جنازہ تیار ہوا۔ اب جو حضرات جنازہ لیکر چلے انکی سنئے ذرا کسی نے قدم بڑھایا اور آوازیں آنی شروع ہوئیں بھائیوں آہستہ آہستہ۔ غرض آہستہ آہستہ قبرستان پہنچے اگر قبر کو پہلے سے کہلا بھیجا تھا تو خیر ورنہ تین چار گھنٹے گورکن نے لگادئے اور اس طرح کم از کم پندرہ گھنٹے میں ایک مردہ دفن ہوا۔ کاش تم کو معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اس معاملہ میں کس قدر صاف ہے۔ حضور فرماتے ہیں :۔

اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ — جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اسکو روکا مت کرو بلکہ اسکو اسکی قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو

بعض روایتوں میں ہے مردوں کے دفن میں تعجیل کیا کرو۔ اگر مرنے والا نیک ہے تو اس کو اس کی نیکی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دو اور اگر مرنے والا بُرا ہے تو اسکو اپنے کندھوں سے اتار کر پھینکو۔ شریعت کی اسپرٹ جہاں تعجیل کی ہے وہاں جناب کی ضرورت سے زیادہ تاخیر کیا شریعت کی کھلی ہوئی مخالفت نہیں ہے ایک دفن کا کیا رونا ہے اور ہی جناب کا کونسا معاملہ درست ہے۔ اسی میت کے سلسلے میں جن بدعات و منہیات کا ارتکاب ہوتا ہے۔ افسوس کہ ان کے بیان کا موقع نہیں ہے۔ بہر حال جسم ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا خاک

میں ملنا یقینی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

کفار کا شبہ صاحبو! یہی تو وہ مسئلہ ہے جو شریعت اسلامی میں نہایت اہم ہے کفار نے ہمیشہ اس مسئلہ پر شبہات پیش کئے ہیں اور قرآن کریم نے ان کا نہایت مسکت اور مدلل جواب دیا ہے جسم انسانی کا فنا ہو جانا اور خاک میں ملجانا اور قیامت میں دوبارہ انسان کا پیدا ہونا ایسا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے کافر ایک طرف ہیں اور انبیاء علیہم السلام ایک جانب ہیں۔ انبیاء اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ انسان کو دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے۔

كما بدأنا اول خلق نعيده ۔ جس طرح پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا ہے بعینہ اسی طرح اس کا اعادہ کریں گے۔

کفار مکہ جو کچھ کہتے تھے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جسم زمین میں مل گیا اور ہڈیاں بدن کی ریزہ ریزہ ہو گئیں، پھر ان کو کون زندہ کرے گا۔ اور انسان کیسے پیدا ہو جائے گا۔

من يحيي العظام وهي رميم[1] (دیکھئے سورۂ یٰسین کا آخری رکوع) ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کون زندہ کرے گا۔

ءاذا كنا عظاما نخرة قالوا تلك اذا كرة خاسرة[2] ۔ ہڈیوں کے گل جانے اور کھوکھلی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ایک لغو بات ہے۔

ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ مر کر کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں چنانچہ الم سجدہ میں ان کا اعتراض ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں۔

[2] کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا۔

ائذا ضللنا فی الارض ائنا لفی خلق جدید ۔ کیا جب ہم زمین میں رل مل گئے تو کیا پھر ہم کو کوئی نئی زندگی ملنے والی ہے ۔

عرب کا محاورہ ضل الماء اللبن پانی دودھ میں اس طرح مل گیا کہ اب اس کا تلاش کرکے علیحدہ کرنا مشکل ہے۔ اسی لئے عام طور سے یہ لفظ گمراہی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ حق و باطل کا ایسا التباس کہ حق کو باطل سے جدا نہ کیا جاسکے تو یہی گمراہی ہے۔ کفار کا شبہ آپکی سمجھ میں آگیا کہ جب جسم فنا ہوگیا اور خاک کا جز بنگیا تو اب پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن نے جواب یا ہے۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون ۔ آپ ان سے کہدیجئے کہ تم کو تو موت کا فرشتہ قبض کرلیتا ہے جو اسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔

بظاہر اس جواب میں کفار کے اعتراض کے ساتھ کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی لیکن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت پر حاشیہ لکھتے ہیں حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ اور حاشیہ دراصل دونوں الہامی ہیں آجتک اتنے ترجمے بے محاورہ اور بامحاورہ لکھے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر اب تک کوئی ترجمہ نہیں ہوسکا افسوس اس کا ہے کہ شاہ صاحب کے زمانے کی زبان اب باقی نہ رہی اور زبان کو قرار کہاں ہے ۔ اردو زبان تو روز کروٹیں بدلتی رہتی ہے۔

اردو زبان کی تبدیلی

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کی اردو ولی کے زمانہ میں نہ تھی، اور ولی کی اردو ذوق کے زمانہ میں نہ رہی، اور ذوق کی اردو اس زمانے میں کوسوں دور گئی۔ لوگ تو ولی کو اردو کا پہلا شاعر سمجھتے ہیں لیکن میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ

علیہ کو ہندوستان کا پہلا شخص سمجھتا ہوں کہ جنھوں نے بھاشا میں فارسی
اور عربی کا پیوند لگا کر اردو شاعری کی طرح ڈالی۔ ولی نے بیشک اسکو قدرے مہذب کیا۔
لیکن اس ڈھنگ کی ابتدا حضرت خسرو نے کی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے موضوع سے
دُور چلا جاؤنگا ورنہ میں آپکو بتاتا کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا اردو زبان پر
کسقدر احسان ہے۔ میں نے گذشتہ ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر اپنی تقریر میں
اُردو کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ زبان کی تبدیلی کا یہ عالم ہے کہ پچاس برس میں
کہیں سے کہیں پہونچتی ہے تخیل ایک ہی ہوتا ہے مگر زبان مختلف ہوجاتی ہے۔
مثلاً حضرت مسیح اور حضرت خضر کی زندگی کے متعلق استاد میر تقی فرماتے ہیں ؎

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا   کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزہ جانا

دیکھئے استاد نے کس خوبی سے مرنیوالوں کی طرف سے نہ مرنیوالوں کو
الزام دیا ہے اور حضرت مسیح و خضر کی زندگی کو بے لطف و بے مزہ بتایا ہے اور کیسی پاکیزگی
اور شستگی سے موت کو زندگی پر ترجیح دی ہے۔ اسی مضمون اور اسی تخیل کو پچاس
سال کے بعد استاد ذوق اپنی زبان میں ادا کرتے ہیں۔ اور میں نے استاد اسلئے
کہا کہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار اپنی غزل انہی ذوق سے درست کرایا کرتے
تھے۔ وہ آخری تاجدار جس کی قبر بھی ہماری بزدلی اور نالائقی کے ہاتھوں ہندوستان
میں نہ بن سکی جو کبھی فاتحہ ہی پڑھ لیا کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ آپکو غالب مرحوم
کے ساتھ دلچسپی ہے اور مجھے ذوق کے ساتھ، یہ بات دوسری ہے۔ خدا کی شان
ہے دنیا بھی کیسی مردہ پسند ہے غالب کی زندگی میں تو انہیں چیستاں گو کہا کرتے
تھے لیکن انکی وفات کے بعد انکے کلام کو کس قدر مقبولیت حاصل ہوئی۔ مرزا صاحب
کے دیوان کی کس قدر شرحیں لکھی گئی ہیں اور دیوان جرمنی میں کس قدر خوشنما
چھاپا گیا۔ اس سلسلے میں عبدالرحمٰن مرحوم کا نام بلا بار زبان پر آتا ہے۔ خدا

اس کی مغفرت کرے اس نے کس قدر محنت اور جانفشانی سے اس خدمت
کو انجام دیا۔ آپ کی مردہ پسندی کو داغ نے خوب لکھا ہے ؎

ہزار شکر کہ دنیا نے قدر دانی کی ہزار شکر کہ مردہ مرا پسند ہوا

بہر حال جس تخیل کو استاد تقی نے اس زمانے کی زبان میں ادا کیا تھا
اسی تخیل کو استاد ذوق یوں ادا کرتے ہیں ؎

مرے جو موت کے عاشق بیاں کہیں کیونکر تے مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

دیکھئے خیال وہی ہے لیکن زبان کہاں پہنچی۔ وہ کچھا جانا اور مزہ جاتا
اس میں بالکل نہیں ہے لیکن کیمجو موجود ہے۔ اور کیمجو کا قافیہ آرزو کے ساتھ
باندھا گیا ہے۔ اور پچاس برس آگے بڑھئے ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

تجھے کیا بتائے ہمنشیں مجھے تو ہیچ مزہ بلا نہ ملا مسیحا و خضر کو وہ نشاط عمر دراز میں

دیکھئے خیال وہی ہے موت کو زندگی پر ترجیح، مرنیوالوں کی تعریف، نہ مرنیوالوں کو
برے بے مزہ رہنے کا الزام مگر آپنے دیکھا زبان کتنی بلند ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ استاد میر کا شعر اردو کا نہیں ہے بلکہ کسی اور زبان کا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ڈاکٹر
اقبال کا شعر کسی اور زبان میں لکھا گیا ہے۔ جس طرح زبان کی تبدیلی کا اثر آپنے
نظم میں دیکھا یہی حال نثر کا ہے۔ آج شاہ صاحب کا ترجمہ سمجھا نہیں جاتا لیکن
اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس جیسا ترجمہ اتبک کسی کو نصیب نہیں ہوا
یوں تو حضرت شاہ صاحب کے خاندان کا تمام ہندوستان پر اسقدر احسان ہے
کہ اس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے علمی احسانات کا کون انکار کر سکتا ہے لیکن قرآن شریف کے تراجم اور موضح القرآن
تو ایسی چیزیں ہیں کہ انکو تو الہامی سمجھنا چاہئے۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا
ترجمہ اگرچہ لفظی ہے اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بامحاورہ ہے

لیکن سچ یہ ہے کہ دونوں ترجمے لاجواب ہیں اگر یہ بزرگ قرآن کی خدمت نہ کرتے تو شاید آج مسلمان قرآن کا ترجمہ بھی نہ جانتے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا۔ بظاہر کفار کے اعتراض اور قرآن کے جواب میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی کفار کو اس میں شبہ ہے کہ جسم کے خاک ہو جانے کے بعد نشاۃ ثانیہ کیونکر ہوگی اور قرآن جواب دیتا ہے کہ تم کو ملک الموت قبض کر لیتا ہے۔ یہ قول اس اعتراض کا جواب کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس آیت پر منبیہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں یعنی "تم آپ کو دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل گئے تم جان ہو وہ فرشتہ لیجاتا ہے فنا نہیں ہو جاتے ہو"

دیکھا آپ نے حضرت شاہ صاحب نے چند الفاظ میں کس خوبی کے ساتھ اعتراض اور جواب میں مناسبت پیدا کر دی اور یہ بتا دیا کہ تم جسم نہیں ہو تم تو جان ہو اور جان موجود ہے وہ جہاں بھی موجود ہو۔ اسی مضمون کو سلطان الاولیاء خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں سے

تن چو از خاک است آخر را خاک میباید شدن جاں ز افلاک است بر افلاک میباید شدن

برادرانِ ملت! جب آپ حضرات کے جسم کی تربیت اور پرورش کیلئے خلاقِ عالم نے اسقدر سامان کیا ہے تو کیا وہ جان جو فنا نہیں ہوتی اور جس کی اصلاح پر عالم آخرت اور حیات ثانیہ کے اطمینان کا دارومدار ہے اس سے رب العالمین بے اعتنائی فرما سکتے تھے؟

مرض کی دو قسمیں دیکھئے ایک بیماری تو جسم کی ہے جس میں آپ روز مبتلا ہوتے ہیں کبھی بخار ہے کبھی نزلہ، کبھی نمونیہ ہے، کبھی دق اور سل ہے۔ غرض صد ہا قسم کے امراض ہیں اور

ان امراض میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ آجکل سنا جاتا ہے گردن توڑ بخار نکلا ہے۔ اگر یورپین تہذیب کا کچھ دنوں اور دنیا میں تسلط رہا تو نہ معلوم ابھی کتنے امراض پیدا ہونگے۔ جس قدر عقل انسانی ترقی کرتی جاتی ہے اسی قدر قدرت بھی اپنی قوت کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔ بہرحال ان امراض جسمیہ سے تو آپ بخوبی واقف ہیں اور ان کا تدارک بھی بڑی کوشش سے آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ جب کبھی کسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو بہترین ڈاکٹر اور اطباء کا مشورہ حاصل کرتے ہیں تا کہ آپ کو صحت میسر ہو جائے حالانکہ آپ جانتے ہیں جسم کو ایک دن ضرور موت آنی ہے لیکن پھر بھی جس قدر ممکن ہوتا ہے آپ اس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں جسم کے مرض کا علاج حکماء اور اطباء کے تجربات پر موقوف ہے جس طرح یہ جسمانی امراض ہیں ٹھیک اسی طرح روحانی امراض بھی ہیں۔ جسمانی امراض کا انجام موت ہے اور روحانی امراض کا انجام عالم آخرت کے اطمینان سے محرومی اور نامرادی ہے۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ جس قدرت نے جسمانی امراض کیلئے ہزار ہا قسم کی دوائیں پیدا کی ہیں اور صد ہا قسم کی جڑی بوٹیاں مہیا کی ہیں تو کیا اس قدرت نے آپکی روح کے علاج سے تغافل برتا ہوگا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جسم خاکی کی صحت و تندرستی کا تو اسقدر اہتمام ہو اور لطیفہ ربانی کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ کیا جائے۔

روحانی اطباء

حضرات! جس طرح جسمانی امراض کا علاج کرنے کیلئے سنا اللہ اور موجودہ اطباء ہیں اسی طرح روحانی امراض کا علاج کرنے کیلئے جس گروہ یا جس شخص کا انتخاب ہوتا ہے اسکو نبی یا پیغمبر کہتے ہیں۔ آپ روحانی طبیب بھی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق میں سے کسی ایک بندے کا انتخاب کر لیتا ہے اور اس کو روحانی تربیت اور اصلاح کا سامان دیکر

خلق کی ہدایت کے لئے اس عالم میں بھیجتا ہے وہ خدا کا فرستادہ ہوتا ہے اور اس کا کام یہی ہوتا ہے کہ خدا کی مخلوق کو غلط راستہ سے بچا کر سیدھی راہ پر لے چلے وہ روحانی امراض سے محفوظ رہنے کیلئے دوا بھی بتاتا ہے اور پرہیز بھی۔ وہ ایسی ہدایتیں دیتا ہے جس پر عمل کرنے سے خدا کی مخلوق روحانی امراض میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ اور روحانی موت سے بچ جاتی ہے وہ تمام طب روحانی کا ماہر ہوتا ہے۔ اس کی تجویز و تشخیص خطا اور غلطی سے پاک ہوتی ہے وہ اپنے نسخہ میں تبدیلی نہیں کیا کرتا اور اذعان و یقین کا مجسمہ ہوتا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اس کا کہا ظن و تخمین پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ حق و یقین پر قائم ہوتا ہے۔ اس کی رائے تجربات کی مرہون منت نہیں ہوتی۔ وہ پہلی دفعہ نسخہ لکھتا ہے اور اسپر اتنا یقین رکھتا ہے کہ زمین و آسمان ٹل جانے کا امکان ہو سکتا ہے لیکن اس کے نزدیک اس کی رائے میں غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا۔

رسول کا مفہوم

حضرات! میں آجکل دیکھتا ہوں کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ جو یورپ کی تقلید کو اپنے لئے مایۂ ناز سمجھتا ہے ہر بات میں یورپ کے پیچھے جا رہا ہے جو مسلمان کبھی اقتدار پرست نہ تھے وہ بھی آج اقتدار پرستی کے دیوتا پر قربان ہو گئے ہزار برس ہندوستان میں آئے ہوئے ہو گئے۔ آجتک تم نے ہندو تہذیب کو اختیار نہیں کیا کیونکہ سیاسی اقتدار تمہارے ہاتھ میں تھا۔ ہندو محکوم تھے لیکن انگریزوں نے سو برس کے اندر ہی اندر تمہاری تہذیب کو غارت کر دیا۔ ہزاروں مسلمان ڈاڑھیاں منڈوانے لگے اور ہزاروں کوٹ پتلون کو اپنا لباس بنا بیٹھے۔ دیکھا تم نے اقتدار پرستی کا تماشہ ہزار برس میں جو نقصان تمہارے کلچر کو نہ پہنچا تھا وہ انگریزوں کی بدولت سو برس میں پہنچ گیا۔ میں تو اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ قیمت دنیا میں سیاسی اقتدار کی ہے جس قوم کا سیاسی اقتدار

نہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ خدا کی شان دیکھئے جس قوم نے دنیا کی بد تہذیبیوں کو مٹا کر اسلامی تہذیب کی تعلیم دی تھی وہ قوم آج خود یورپین تہذیب کی نذر ہو گئی۔ اس سے بڑھکر تمہاری بدقسمتی کیا ہو گی تم نے تو ہمیشہ قوموں کے اقتدار کو ٹھکرا دیا ہے۔ تم کب سے اقتدار پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو گئے آج تمہاری یہ حالت ہے کہ استعمار پسندوں کے دئے ہوئے ٹکڑوں پر فخر کرتے ہو تم نے تو استعماری طاقتوں کی محبت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحیح حیثیت کو بھی فراموش کر دیا۔ میں تم سے دریافت کرتا ہوں بتاؤ کہ نبی کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ تم نے تو پیغمبر کا مفہوم بدل دیا چونکہ یورپ ریفارمر، فلاسفر گائڈ وغیرہ کے الفاظ بولتا ہے تم بھی اپنے پیغمبر کو یہی سمجھ بیٹھے کہ وہ ایک قسم کے ریفارمر یا فلاسفر یا پرافٹ تھے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ نہ وہ گائڈ ہیں نہ وہ فلاسفر ہیں۔ نہ وہ ریفارمر ہیں۔ نہ وہ پرافٹ ہیں نہ وہ اوتار اور لیڈر ہیں بلکہ وہ تو پیغمبر ہیں یعنی فرستادۂ خدا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب اور مقرر کرکے بھیجے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو ہدایت کریں اور قوم کو خدا کی مرضی سے آگاہ کریں۔ اگر کوئی لفظ کسی زبان کا اس مفہوم کو ادا کرتا ہو تو بتائیے دنیا کی تمام قومیں نبوت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں وہ صرف ریفارمر اور فلاسفر وغیرہ تو جانتی ہیں لیکن نبی اور رسول کا وہ مفہوم جو میں عرض کر رہا ہوں اس مفہوم سے تمام دنیا ناآشنا ہے۔

ریفارمر اور رسولؐ کا فرق

ریفارمر کی رائے غلط ہو سکتی ہے، فلاسفر کی عقل غلط رہنمائی کر سکتی ہے، طبیب کا تجربہ غلط ہو سکتا ہے، لیکن نبی یا رسولؐ جو کچھ کہتا ہے وہ اپنی آنکھ سے دیکھکر کہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے کلام میں زور ہوتا ہے۔ اس کو اپنے قول پر

پورا یقین ہوتا ہے، وہ کہتا ہے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ کہتا ہے۔
ھٰذہٖ سبیلی ادعو الی اللہ میری راہ یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف سمجھ
علیٰ بصیرۃ ۔ بوجھ کر بلاتا ہوں ۔
یہ علیٰ بصیرۃ سوائے پیغمبر کے دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ فلاسفر کی رائے کا حال تو یہ ہے کہ شاید ان کے کسی مسئلہ پر سو برس گذرتے ہوں۔ ورنہ بہت سے مسئلے تو خود انکی زندگی میں غلط ہو جاتے ہیں اور نہیں تو مرنے کے بعد تو شاید ہی کسی کا خیال باقی رہتا ہو۔ آپکو یاد ہوگا عرصہ سے یورپ کے سائنسداں مریخ میں نہریں اور ریلیں دیکھ رہے تھے جو دوربین لگاتے تھے اس سے مریخ میں ان کو آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے اور یہ بھی نظر آتا تھا کہ وہ زمین کے رہنے والوں سے بات چیت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں پچاس ۵۰ ساٹھ ۶۰ برس تک دنیا کو بھی دھوکہ دیتے رہے اب کہتے ہیں وہ نشان تھے جن کو نہریں سمجھ لیا گیا
آپ کے ڈارون نے بہت سی کھوپڑیاں دیکھ کر یہ نظریہ قائم کیا کہ انسان پہلے بندر تھا ترقی کرتے کرتے آدمی بن گیا اور یہ بھی ممکن ہے کل کچھ اور بن جائے کیونکہ ارتقا کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے لیکن بہت سے لوگ اس نظریہ کے مخالف ہیں اور یہ ممکن ہے کہ خود ڈارون کے معتقد آگے چلکر اس نظریہ کے مخالف ہو جائیں اور بعض کھوپڑیاں ایسی دستیاب ہو جائیں جن سے یہ نظریہ بالکل غلط ہو جائے چند ہڈیوں کو ملا کر قیاس کر لینا اصل حقیقت کو مستلزم نہیں ہے۔ پچھلے دنوں کا واقعہ ہے سکول کے بعض لڑکوں نے شرارت کی تھی ایک بکری کی ہڈی چاقو سے باریک چھیل کر ان لوگوں کی خدمت میں پیش کر دی جو پرانی ہڈیوں پر غور کیا کرتے ہیں اور یہ کہا کہ یہ ہڈی ہم کو فلاں جگہ سے ملی ہے۔ چنانچہ اس ہڈی پر غور کیا گیا اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ یہ پانچ ہزار برس پیشتر ایک

جانور سائبیریا کے جنگل میں پایا جاتا تھا یہ اس کی ہڈی ہے۔ لڑکوں نے ہنس کر کہا اجی حضور یہ تو بکری کی ہڈی ہے جو ہم آپ کو چھیل چھال کر دے گئے تھے۔ یہی حالت آپ کے اطبا کی ہے۔ وہ سقراط ہوں یا افلاطون بقراط ہوں یا جالینوس یا شیخ بوعلی سینا ان کا قول ہے سقمونیا مسہل ہے۔ یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے لیکن کیا کوئی حکیم

حکماء کا متفقہ مسئلہ

صاحب قسم کھاکر فرما سکتے ہیں کہ سقمونیا ضرور دست لائیگا حکیم صاحب یہ ضرور کہیں گے مولانا صاحب ہم نے ہزارہا مریضوں پر تجربہ کیا ہے اور یہ کلیہ درست پایا ہے لیکن ممکن ہے کسی کا معدہ سقمونیا کو ہضم کر جائے۔ سونف اور کسوس سے سدہ نکل جاتا ہے لیکن بعض حضرات کا معدہ ایسا ثقیل ہوتا ہے کہ وہ سونف اور کسوس کو پچا جاتے ہیں۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کیا یہ ڈاروِن نژاد سے جو اپنے آپ کو بندر کی اولاد کہتے ہیں قسم کھاکر کہہ سکتے ہیں کہ ان کے باپ دادا بندر تھے کیا چند بوسیدہ اور پرانی ہڈیوں کے ڈھانچے مل جانے سے تھیوری بنا کرتی ہے۔ آجتک ہزارہا مسئلوں سے آپ کے فلاسفر نے رجوع کیا ہے اور آج تک انکی صدہا تھیوریاں غلط ثابت ہوئی ہیں۔

آسمان کا انکار زمین کی حرکت کا قول، مریخ کی نہروں اور چشموں کا انکار یہ تو کل کی بات ہے۔ آپ کو یاد ہوگا انڈے کی زردی کے کس قدر فضائل بیان کئے جاتے تھے۔ اور سفیدی کے نقصانات کس قدر بیان کئے جاتے تھے۔ آج کہتے ہیں انڈے کی زردی اور سفیدی دونوں کو ملاکر کھاؤ۔ کل تک پھلوں کی کی تعریف میں رطب اللسان تھے اب کہتے ہیں پھل کے ساتھ ہی پھل کا چھلکا بھی کھاؤ۔ اور کوئی دن جاتا ہے کہ یہ یورپ کے ڈاکٹر اعلان کرنیوالے

ہیں کہ فقط چھلکا کھاؤ اور پھلوں کا گودا چھوڑ دو۔ ابھی انجکشن کو تمام
امراض کا علاج بتلایا جاتا تھا اب اس کے نقصانات گنوائے جا رہے ہیں یہ
ہیں تمہارے حکماء فلاسفہ کی آراء۔ یہ ہیں تمہارے سائنسدان جو چوبیس گھنٹے
میں چھتیس رائیں بدلتے ہیں۔ ان احمق اور گدھوں کی آراء و اقوال پر انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال کو جانچا کرتے ہو تم کو شرم نہیں آتی انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اپنی رائے ہیں کو وہ استقلال ہوتے ہیں، انکی رائے کو ان
تھالی کے بینگنوں اور بندر کے بچوں کی رائے سے ٹکراتے ہو اور پھر اپنے آپ کو
مسلمان کہتے ہو دیکھو! کان کھول کر سنو! تمہارے فلاسفہ، حکماء، سائنسداں
ریفارمر، لیڈر، گائیڈ، ان سب کے پاس ظن ہے۔ اٹکل ہے قیاس ہے خرص ہے
اندازہ ہے تجربہ ہے یہ سب کچھ ہے لیکن حق اور مشاہدہ نہیں ہے۔ اندازہ غلط
ہو سکتا ہے۔ اٹکل اور جانچ میں غلطی ہو سکتی ہے۔ تجربہ کا غلط ہو جانا ممکن ہے
لیڈر کی رائے غلط ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم روزمرہ اپنے لیڈروں کا تجربہ کرتے رہتے
اور ہمارے سچے رہنما اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرتے رہتے ہیں لیکن انبیاء علیہم
الصلوٰۃ والسلام کی حالت ان سب سے بالکل علیحدہ ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے پاس حق ہے یقین ہے وہ اپنے خیال میں پختہ ہوتے ہیں اور جو کچھ
کہتے ہیں اس پر نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ قسم کھا لیتے ہیں۔

دیکھئے یعتذرون گیارہواں پارہ۔

ویستنبؤنک احق[۱]	آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا جو کچھ آپ
ھو قل ای وربی	بیان کرتے ہیں یہ صحیح اور حق ہے مرنے کے بعد
انہ لحق۔	جو کچھ پیش آنے والا ہے یا دوزخ اور جنت

۱ اور تجھ سے جو پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم ہے میرے رب کی یہ سچ ہے۔

وغیرہ کے متعلق جو کچھ بیان کرتے ہیں یہ سچی بات ہے اور کیا آپ کو اپنی بات پر یقین ہے آپ ان کو جواب دیدیجئے کہ بے شک مجھے اپنے رب کی قسم جو کچھ میں کہتا ہوں یہی حق ہے"

دیکھا آپ نے کس طرح قسم کھا کر اپنی بات کو حق فرمایا ہے۔ اسی لئے حضرت حق نے فرمایا:۔

ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔[1]	یہ لوگ گمان اور اٹکل کی پیروی کرتے ہیں۔

اور فرمایا ہے:۔

ان یتبعون الا الظن و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔[2]	یہ لوگ گمان اور شک کی پیروی کرتے ہیں اور بھلا کہیں گمان بھی حق کے مقابلہ میں کسی کو مطمئن کر سکتا ہے۔

انبیا علیہم السلام کی یہی حالت ہے۔ یہ بات آپ کے فلاسفر اور حکماء کو کہاں نصیب ہے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے جب ان سے مناظرہ شروع کیا تو انہوں نے نہایت استغنا اور بے پروائی کے ساتھ فرمایا۔

وحاجہ قومہ قال اتحاجونی فی اللہ وقد ھدان۔[3]	تم لوگ ایک ہدایت یافتہ آدمی سے مناظرہ کرنا چاہتے ہو حالانکہ میرے پروردگار نے مجھے ہدایت دیدی ہے اور مجھے اپنی ہدایت پر ہر طرح

---

[1] سو یہ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں
[2] محض اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں۔ [3] اور اس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا۔ ۱۲

اطمینان حاصل ہے۔

ایک ضروری مثال

دیکھئے یہ چمڑے کا بٹوا میرے ہاتھ میں ہے میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ بتائیے اس میں کتنے روپے ہیں۔ کتنے پیسے ہیں۔ اب آپ سب حضرات بتانا شروع کیجئے۔ کوئی کہے گا صاحب اس بٹوے میں سو روپے ہیں۔ کوئی کہے گا اس میں پچاس ۵۰ روپے کے نوٹ ہیں کوئی صاحب فرمائیں گے یہاں یہ کانگریسی مولوی ہیں۔ انکو کانگریس نے بڑی بڑی رقمیں دی ہیں۔ کم سے کم بھی انکے بٹوے میں دس ہزار روپے ہونگے۔ میں سب لوگوں کی باتیں سنتا رہوں اور آخر میں کہوں بھائی اس بٹوے میں پانچ روپے ہیں، بارہ آنے کے پیسے ہیں اور ایک ٹکٹ بارٹھ سے دہلی تک کا ہے۔ آپ میری بات سن کر مجھ سے مناظرہ کرنے لگیں تو آپ کی پوزیشن میری نظر میں کیا ہوگی۔ میں کہونگا ارے بیوقوفو! بٹوا میرا ہے میں نے اس میں روپے رکھے ہیں۔ بارہا میں نے ان روپوں کو اور ٹکٹ کو سنبھالا ہے۔ میرے پاس یقین ہے مشاہدہ ہے عین الیقین ہے۔ تمہارے پاس ظن ہے، اٹکل ہے، اندازہ ہے۔ میں سچا ہوں یا تم سچے ہو۔ صاحبو! جو حیثیت آپ کی میری نظر میں ہوگی وہی بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے سامنے تمہارے کینٹ اور نیوٹن کی ہے۔ کہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فرمان اور کہاں نطشے، لیبان کی قیاس آرائیاں۔ استغفر اللہ

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ

ابھی میں آپ کے سامنے حکماء اور فلاسفہ کے نظریئے پیش کر چکا ہوں اب ایک واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنئے۔ ایک شخص نے حضور ؐ کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اسکو شہد پلاؤ۔ اس نے جاکر شہد پلایا۔ دست زیادہ آئے۔ اس نے عرض کیا حضورؐ شہد پلانے سے تو دست اور زیادہ آئے فرمایا جاؤ اور پلاؤ۔ پھر شہد پلایا گیا۔ اسہال میں اور زیادتی ہوگئی۔ وہ پھر آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ شہد پلانے سے اور دست آنے لگے فرمایا جاؤ پھر شہد پلاؤ۔ تیسری مرتبہ اور زیادہ دست آئے وہ پھر گھبرایا ہوا آیا اور اس نے عرض کیا حضورؐ اس کو برابر دست آرہے ہیں۔ جتنا شہد پلاتا ہوں اسہال میں زیادتی ہوتی ہے بس اب سرکارؐ نے ایک فقرہ فرمایا جس کو ذرا کان کھول کر سن لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ پھر پلاؤ۔

صدق اللہ وکذب بطن اخیک۔ — اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

چنانچہ چوتھی مرتبہ اس نے پلایا تو دست بند ہوگئے۔ آپ نے دیکھا کوئی شرعی مسئلہ نہ تھا۔ برزخ کا کوئی قصہ نہ تھا۔ صرف ایک طبی معاملہ تھا۔ اگر ہمارے حکیم شفیع اللہ ہوتے تو ہیر پھیر، الٹ پلٹ کرتے ایک دوا کاٹتے دوسری بڑھاتے اور اتنک خدا جانے نسخہ میں کتنی تبدیلیاں کرتے۔ لیکن جہاں پورا اذعان و یقین ہو وہاں تبدیلی کب ممکن تھی۔ جواب بھی دیا گیا تو یہ دیا گیا کہ خدا سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ یہ ہے وہ اطمینان یہ ہے وہ اذعان۔ یہ ہے وہ یقین۔ یہ ہے وہ حق جس کو فرمایا ہے۔

ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ — گمان اور شک حق و یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کیا یہ بات جالینوس اور افلاطون کو میسر ہو سکتی ہے یا کینٹ اور نیوٹن

کو اپنے نظریوں پر اتنا یقین ہو سکتا ہے۔ یہ ہے وہ فرق جس کو میں بار بار کہہ رہا ہوں اور ہمارے نوجوانوں کے دماغ اس کو ایک نئی بات سمجھ رہے ہیں۔

ہجرت کا ایک واقعہ

کیوں صاحب یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ سرکارؐ نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور آپ تین دن تک غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ رہے تھے۔ کفار آپ کو ڈھونڈھنے نکلے اور غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ میں تفصیل نہیں کرتا۔ مجھے صرف ایک بات کہنی ہے۔ آپ ذرا اس کا تصور کیجئے دشمن قتل کے در پے ہے آپ ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں کہیں نکلنے کو راستہ نہیں۔ قاتل غار کے منہ پر کھڑے ہیں۔ اب آپ انصاف سے کہئے اسوقت کسی کو نیند آسکتی ہے؟ لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آرام فرما رہے ہیں۔ اور جب ابو بکرؓ گھبرا کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہؐ دشمن ہمارے سر پر کھڑے ہیں۔ اگر یہ لوگ ذرا جھک کر دیکھیں تو ہم کو دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس گذارش کا جواب کیا ملتا ہے۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ اے ابو بکرؓ کچھ فکر مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ دیکھا آپ نے یہ ہے وہ اطمینان جو خدا کے پیغمبروں کو ملتا ہے اور دوسرے ریفارمر اس سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ ہے وہ فرق جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کسے کہتے ہیں اور ریفارمر اور فلاسفر کسے کہتے ہیں۔

سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس

آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس کب ہوئی تھی۔ آپ تو غالباً دہلی اور الہ آباد کی یونیٹی کانفرنس کو جانتے ہوں گے لیکن آپ کو معلوم نہیں سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس حدیبیہ میں ہوئی ہے۔ ایک طرف تو مدینہ کے

انصار و مہاجرین تھے دوسری طرف کفار قریش تھے۔ کفار قریش کی طرف سے سہیل نمائندہ مقرر ہو کر آئے تھے اور مسلمانوں کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کر رہے تھے۔ اس کانفرنس میں بھی کفار اپنی تنگ ظرفی کا ثبوت دے رہے تھے۔ سہیل ایک ایک بات پر اُلجھتا تھا۔ لیکن مسلمان انتہائی رواداری سے صلح کر رہے تھے۔ اور رواداری بھی کیسی کہ اگر الہ آباد میں مسلمان لیڈر اتنی رواداری کرتے تو شاید مسلمان ہی اپنے لیڈروں کو قتل کر دیتے۔

صلح حدیبیہ بہر حال سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس میں مسلمانوں کی رواداری کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب صلحنامہ کی ابتداء میں بسم اللہ لکھی جانے لگی تو سہیل نے کہا "رحمان رحیم اس میں سے نکال دو"۔ مسلمانوں نے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا تو صرف بسمک اللّٰھم لکھا گیا۔ جب محمد رسول اللہ لکھا گیا تو کہا "رسول اللہؐ کاٹ دو"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کا یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی طاقت کم نہ تھی۔ اگر آپ جنگ کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن حضورؐ کو تو انتہائی رواداری مقصود تھی۔ سہیل نے کہا "جو کافر مسلمان ہو کر مدینہ جائیگا اسکو واپس کرنا ہوگا اور جو مسلمان مدینہ سے مرتد ہو کر بھاگ آئیگا اسکو ہم واپس نہ کرینگے"۔ فرمائیے کتنا سخت مطالبہ ہے مسلمان کو واپس کرنا اور ایک کلمہ گو کو کفار کے قبضے میں دیدینا لیکن سرکار نے اس مطالبہ کو بھی مان لیا۔

یہ مسلمانوں اور کافروں کا سب سے پہلا معاہدہ ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ دونوں آزاد تھے۔ انگریز بیچ میں نہ تھے۔ اسی لئے انہی شرائط کے ماتحت معاہدہ ہو گیا۔ اگرچہ اتنی نرم شرائط سے مسلمان بہت متأثر ہوئے اور بعض نے

حضور سے دریافت بھی کیا یا رسول اللہ ہم مسلمان ہیں اور حق پر ہیں اور پھر ایسا معاہدہ کیا جارہا ہے لیکن ایک پیغمبر کے اطمینان کو ملاحظہ کیجئے، حضورؐ نے جواب دیا میں اللہ کا رسول ہوں اطمینان رکھو میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرسکتا جو کچھ میں نے کیا درست کیا ہے میں نے اپنے اخلاق اور رواداری سے کفار کو شکست دیدی ہے۔ تم دیکھنا اس کا نفرنس کا نتیجہ بہت اچھا نکلے گا۔ اسی اخلاقی فتح کو اللہ نے فرمایا ہے۔ انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔

سورہ فتحنا حدیبیہ کی واپسی پر مکہ مدینہ کے مابین نازل ہوئی تھی جب حضورؐ نے سورت پڑھ کر سنائی تو ایک صاحبؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا یہی فتح ہے کہ ایک کمزور معاہدہ کرکے بغیر عمرہ کئے مدینہ کو واپس جارہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہی فتح ہے اگرچہ ہم صلح کرکے چلے ہیں لیکن یہ صلح ہی آئندہ ہماری فتح کا سبب ہونیوالی ہے۔

غفر کے معنی جانتے ہو۔ غفر کے معنی ستر اور حجاب کے ہیں، گناہوں کے اور آپ کے مابین حجاب کا یہ مطلب ہے کہ نہ پہلے کوئی گناہ ہوا اور نہ آئندہ کسی گناہ کی توقع ہے۔

دیکھو حجاب کی صورتیں یہ ہیں۔ یا تو گناہ سے حجاب ہوجائے یا عقوبت سے حجاب ہوجائے۔ جب پیغمبر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کے اور گناہ کے مابین حجاب حائل ہوگیا ہے۔ اور آپ سے گناہ کا وقوع ممکن نہیں ہے اور جب مسلمانوں کے لئے استعمال ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ گناہ اور عقوبت کے مابین حجاب حائل ہوگیا ہے اور مسلمان عذاب سے محفوظ کردیے گئے ہیں۔ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر دلالت کرتی

ہے۔ نہ معاذ اللہ صدورِ ذنب پر۔

یہ معنی یاد رکھنا علامہ زرقانی نے فرمایا ہے۔ وھذا قول فی غایۃ الحسن اس قول کے بعد ان تاویلات کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو ہمارے علماء کرام ذنب میں کہا کرتے ہیں۔ حضور نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت دنیا کی تمام چیزوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اللہ کے پیغمبر کو اعلان عصمت سے کونسی چیز زیادہ محبوب ہو سکتی ہے۔ صحابہ رض نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آیت آپ کو مبارک ہو۔ ہمارے لئے بھی کوئی بشارت ہے۔ آپ نے مزید تلاوت کی یہاں تک کہ لیدخل المؤمنین والمؤمنات پر پہنچے اور مسلمانوں کو بھی بشارت سنا دی۔

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ پیغمبر اسے کہتے ہیں جسے اپنی بات میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور حضرت حق کی وحی کو سن کر کہتا ہے یہ بات دنیا کے حکماء اور فلاسفروں میں نہیں ہوا کرتی۔ اسلئے میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ یورپ کی ایسی اندھی تقلید نہ کرو کہ پیغمبر کو محض ایک ریفارمر یا فلاسفر یا گائڈ یا پرافٹ کہنے لگو۔ بلکہ نبی اللہ، رسول اور فرستادہ خدا کہا کرو۔

عالمِ برزخ کے واقعات

معزز حاضرین! آپ نے ہجرت کا واقعہ سنا صلح حدیبیہ کا قصہ بھی آپ کو معلوم ہوا۔ آپ نے شہد پلانے کا واقعہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان دیکھا اب عالمِ برزخ کے واقعات کو لیجئے اور ذرا دنیا کے عقلا کو دیکھئے۔ زندگی سے پہلے اور بالخصوص موت انسانی کے بعد کا معاملہ ایسا پیچیدہ ہے کہ ان احمقوں میں سے ایک بھی ٹھکانہ کی بات نہیں کہتا۔ یورپ میں جس قدر انسان آباد ہیں

اتنے ہی مذاہب۔ ایک طرف یورپ کی ترقی کا یہ حال ہے کہ ہوا پر اڑ رہا ہے۔
لیکن دوسری طرف الٰہیات اور مسئلہ معاد میں اس کی جہالت کا یہ حال ہے
کہ اہلِ یورپ اور کفار مکہ میں کوئی فرق نہیں۔

ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین۔
یعنی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں اور مرنے کے
بعد ہم کو دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے۔ بعض ان میں سے جسم کے ساتھ روح
کو بھی فنا ہونے والا جوہر سمجھتے ہیں۔ بعض سرے سے روح کے قائل ہی
نہیں۔ بلکہ خون کو روح سمجھتے ہیں۔ خون جسم کا ختم ہو گیا اور روح ختم ہو گئی۔
یہ ان عقلائے زمانہ کی احمقانہ رائیں ہیں جن کی عقول آج دنیا میں مشہور ہیں
اور یہ بے وقوف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس مقدس جماعت پر منہ آتے
ہیں جنکی معلومات کا دارومدار یا تو مشاہدہ پر ہے یا حضرت حق کے بتانے پر ہے۔

عالمِ برزخ کی ایک اطلاع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خچر پر تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ایسے
مقام پر سے گزرے جہاں چند قبریں تھیں۔ آپ کا خچر ذرا بدکا، اور شوخی کرنے
لگا۔ سرکار نے دو قبروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ قبریں کس کی ہیں لوگوں
نے عرض کیا فلاں فلاں صاحب کی قبریں ہیں فرمایا ان دونوں قبروں میں عذاب
ہو رہا ہے۔ اور عذاب بھی کسی بڑے معاملہ پر نہیں ہے یعنی ایسا گناہ نہیں ہے
جس سے بچنا کوئی بڑا مشکل تھا۔ ایک تو ان میں سے پیشاب کی چھینٹوں سے
نہیں بچتا تھا اور ایک ان میں سے چغلخوری کیا کرتا تھا۔ اب فرمایئے اگر
کوئی احمق سرکار سے مناظرہ کرنے لگے کہ واہ صاحب ہم کو تو عذاب نہیں
دکھائی دے رہا یا عذاب کہاں ہو رہا ہے ہم کو بھی دکھاؤ۔ قبر تو اوپر سے بند ہے

آپ نے عذاب کیسے دیکھ لیا۔ تو فرمایئے اس کو کیا جواب دیا جائے۔ یہی
وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال میں سادگی ہوتی ہے۔
تمہارے فلاسفہ کی طرح دلائل کی بھرمار نہیں ہوتی۔ دلائل وہاں ہوتے
ہیں جہاں محض عقل پر دارومدار ہو اور جہاں آنکھوں کی دیکھی بات ہو
وہاں دلائل نہیں ہوا کرتے۔ اگر تم اس کو زیادہ مجبور کروگے تو وہ قسم کھالیگا۔
اور قسم کھا کر کہے گا میں جو کچھ کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔ تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔

وہ کرکرہ کا قصہ تو آپ نے سنا ہوگا غالبًا
برزخ کا دوسرا واقعہ خیبر میں یہ شہید ہوئے ہیں۔ خیبر کی جنگ کے
بعد جب صحابہ شہداء کا شمار کرنے لگے تو انہوں نے شہداء کی فہرست میں کرکرہ کا
نام بھی لیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ نے بیساختہ
فرمایا کرکرہ تو شہید نہیں ہوا۔ اب صحابہ اس کی شہادت کا یقین دلا رہے ہیں اور
حضورؐ انکار فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تو اسے دوزخ میں دیکھ رہا ہوں
جب لوگوں کا حیرت واستعجاب زیادہ ہوا اور ایک شہید کو دوزخ میں سن کر
افسوس بھی ہوا تو سرکار نے فرمایا اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی۔ اس
خیانت کی بناء پر وہ دوزخ میں گیا ہے۔ صحابہ نے اس کا سامان ٹٹولنا شروع
کیا تو اس میں سے ایک چھوٹا سا ہار نکلا۔ آپ نے فرمایا یہی ہار ہے جو اس نے مالِ
غنیمت سے چھپا لیا تھا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ ایک دن پیشتر کا
واقعہ ہے کل وہ شہید ہوا ہے آج حضور اس کو دوزخ میں دیکھ رہے ہیں اور
پھر دوزخ میں جانے کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ اب فرمایئے ان سے آپ مناظرہ
کرنا چاہتے ہیں۔ جو شخص ایک واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اس سے مناظرہ
کیسا؟ اور بحث کیسی؟ میرے بھائی وہاں رائے نہیں ہے جس کو تم اپنے زور دلائل

سے شکست دیا دو گے وہاں تو واقعہ اور فیکٹ ہے۔ مجھے ان تعلیم یافتہ لوگوں پر جب ہی تو ہنسی آیا کرتی ہے۔ یہ احمق پیغمبروں کے اقوال کو کینٹ اور نیوٹن کی رائے سے ٹکرایا کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک کینٹ اور نیوٹن کی قیاسی رائی ایک مسلّم شے ہے۔ اگر ان احمقوں کے قیاس سے کسی پیغمبر کا قول مطابق ہو گیا تو قابل تسلیم ہے ورنہ قابل رد ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ پیغمبر کی رائے اصل ہوتی اور جس کی رائے اس سے ملتی وہ قبول کی جاتی نہ ملتی تو رد کر دی جاتی لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔ یورپ کے فلاسفہ تو اصل ہیں اور بیچارے انبیاء علیہم السلام جو علم الیقین کے مالک ہیں وہ فرع ہیں اور میں اس اصولی غلطی کو دور کرنا چاہتا ہوں اور میرے نزدیک سیرت کے جلسوں کا یہی منشاء ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعلیم سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔

جاہل میلاد خواں

مجھے تو اس کا افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ذوق کو ان جاہل میلاد خوانوں اور قصہ گو واعظوں نے خراب کر دیا ہے مسلمانوں کے سامنے صحیح تعلیم پیش کی جائے تو وہ حیرت زدہ ہو کر دیکھتے ہیں ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے اور قرآن و حدیث میں کیا تعلیم ہے۔ اگرچہ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان تشنہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اب آہستہ آہستہ ان جاہل میلاد خوانوں سے بیزار ہو رہے ہیں۔ اور وہ صحیح اسلامی تعلیم کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ ان قصہ گو واعظوں سے پریشان ہیں اور صحیح علم کے متلاشی ہیں لیکن بھائی کیا کیا جائے ان جاہلوں نے اس طرح مسلمانوں پر قبضہ کیا ہے کہ ان کا ذوق خراب کر دیا ہے۔ اور دیکھو میں تم سے پھر ایک صاف بات کہتا ہوں اور تم کو تاکید کرتا ہوں کہ میری بات لکھ لو خدا جانے میں مر جاؤں کیونکہ اس عمر ناپائیدار کا کیا بھروسہ ہے۔ میری عمر پچاس سال سے متجاوز

ہو چکی ہے نہیں کہہ سکتا کے دن کا مہمان ہوں۔ میرے بہت سے دوست قبروں میں جا سوئے اب اپنے اعضا بھی جواب دے رہے ہیں۔ جو میں کہتا ہوں اسے یاد کر لو میرے مرنے کے بعد اس کو سوچنا جب تک مسلمان ان جاہل واعظوں اور جاہل دیوانوں کے قبضے سے نہیں نکلتے اسوقت تک یہ تم کو ایک قدم نہیں آگے بڑھنے دیں گے۔ ان جاہلوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تریسٹھ سالہ مقدس زندگی کو صرف ولادت کے چند واقعات میں محدود کر دیا ہے۔ ان میلاد خوانوں اور جھوٹے قصہ خوانوں سے تم اتنا دریافت نہیں کر سکتے کہ کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کوئی اختلافی مسئلہ ہے جس کو تم ہمیشہ بیان کیا کرتے ہو۔ یا حضورؐ کی ولادت سے کسی کو انکار ہے جو آپ ہر سال جھوٹی روایتیں اور موضوع قصے بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت کا تو کوئی کافر بھی منکر نہیں ہے۔ چہ جائیکہ مسلمان پھر اسکو بار بار بیان کرنے سے آپکا مقصد کیا ہے اور آپ اس ذکر ولادت سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بیان کرنے کی بات تو یہ ہے وہ مقدس رسول صلی اللہ

میلاد کا مقصد

علیہ وسلم جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مکمل انقلاب ہے اس نے دنیا میں آکر لوگوں کی ذہنیت اور لوگوں کے تمدن، انکی آبائی رسوم اور ان کے عقیدوں میں کیا انقلاب پیدا کیا جو بتانے کی بات ہے وہاں یہ کمبخت خاموش ہیں، سلام پڑھا اور ریشنہ بغل میں دبا کر چلتے ہوئے۔ اس سے زیادہ خدا کے مقدس پیغمبر کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی والدہ ماجدہ کے واقعات ولادت کو شارع عام پہ جہاں ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں مزے لے لیکر بیان کیا جائے۔ کیا یہ جاہل اپنی ماں بہنوں کے لئے اس کو پسند کرتے ہیں کہ انکے جاپے اور زچہ خانے کے حالات کو سربازار بیان کیا جائے۔ میری سمجھ میں

تو آج تک یہ طریقہ محبت اور طریقہ تعریف ہی نہیں آیا۔ اپنی ماں بہنوں کا نام تو مردم شماری کے رجسٹر میں لکھواتے ہوئے گھبرائیں اور اہل بیت کی عورتوں کا نام لے لیکر بازاروں میں مرثیے پڑھے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیوں کے نام لیکر بازاروں میں سینہ کوبی کی جائے اور کہا جائے کہ ہم اہل بیت سے محبت کرنیوالے ہیں اپنی ماں یا بہن کا مجلس میں ذکر آجائے تو جناب ناراض ہو جائیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے وہ واقعات جو حضور کی ولادت کے وقت پیش آئے انکو مجالس عامہ میں بیان کرتے وقت آپ کو شرم نہ آئے بلکہ آپ کے نزدیک یہ حضور کی تعریف و توصیف سمجھی جائے تو اب تعریف و توہین کا معیار بھی ان جاہلوں کی رائے ٹھیری جس کو یہ تعریف سمجھیں بس وہ تعریف ہے، خواہ وہ توہین ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مخصوص مسلمانوں کا مجمع ہو اور واقعات ولادت کو صحیح روایتوں سے بیان کیا جائے اور سلجھے ہوئے الفاظ میں ذکر کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ ہر وہ مجلس جس میں سرکارؐ کا ذکر کیا جائے وہ مجلس خیر ہے لیکن نہ یہ طریقہ جو ان جاہل میلاد خوانوں نے مقرر کیا ہے یہ تو کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں ہو سکتا۔ میلاد شریف کا بیان بھی کراؤ تو کسی عالم سے کراؤ جو الفاظ تو کم از کم شستہ استعمال کریگا۔ اور اہل مجلس کو دیکھ کر گفتگو کرے گا۔

مولانا حالی کا ایک شعر دیکھئے میں آپ کو سرکارؐ کی ولادت کے متعلق ایک شعر سناتا ہوں کاش تم اردو کا شعر سمجھنے کی قابلیت رکھتے۔ مجھے تو اردو کا شعر بھی پڑھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ آپکی اردو کا حال معلوم ہے۔ مولانا حالی کو بھی جانتے ہو۔ جن کی شاعری ہندستان میں خاص طور پر مشہور ہو چکی ہے۔ سرسید کی جماعت کے لوگوں میں سے تھے۔

خدا کی شان آہستہ آہستہ یہ سب لوگ ختم ہو گئے۔ علامہ شبلی۔ منشی ذکا ءاللہ۔ ڈپٹی نذیر احمد۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ شمس العلماء محمد ضیاء الدین۔ مولانا حالی۔ یہ ایک پوری جماعت تھی جو اب تقریبًا ختم ہے۔ اس جماعت کے یہ خاق بہادر آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ اور ایک دو کسی کونے میں زندہ ہونگے۔ بہرحال مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعائے خلیل و نوید مسیحا

دیکھا کیسا شعر ہے آپ کے جاہل میلاد خوانوں کی تمام جھوٹی روایتیں اور توہین آمیز قصے ایک طرف اور یہ شعر ایک طرف۔ بھلا اس کا جواب ہو سکتا ہے؟ الہامی شعر ہے۔ اس کی قدر حفیظ جالندھری سے پوچھو۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

حالی کے اس شعر کے متعلق حفیظ نے ایک مجلس میں ذکر کیا تھا کہ جب مولانا حالی کا یہ شعر میری نظر سے گذرا تو عرصہ تک میں یہ سوچتا رہا کہ اس کے بعد لکھا کیا جائے۔

مرزا غالب کا واقعہ بات یہ ہے کہ شاعر ہی شاعر کے کلام کو سمجھتا ہے ہم جاہل کیا جانیں گے۔ مرزا غالب مرحوم کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنا تمام دیوان مومن خاں کے ایک شعر پر قربان کرنے کو آمادہ تھے اس میں شک نہیں کہ مومن خاں بہت بڑے قابل آدمی تھے۔ بےمثل شاعر تھے اور علم نجوم و جفر میں تو ان کا جواب ہی نہ تھا۔ اگر تم کبھی دہلی آؤ تو میں تم کو ان کا مکان بھی دکھادوں گا۔ کلاں محل میں رہتے تھے میرے مکان سے بہت قریب جگہ ہے۔ اگرچہ آج کل وہاں اپلوں کی ٹناٹی ہے۔ روز صبح کو اپلے بیچے جاتے ہیں۔ مومن خاں وہابی خیال کے آدمی مشہور تھے شاہ صاحب کے خاندان

سے بڑی عقیدت تھی اور چونکہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
خاندان سے بے حد عقیدت تھی۔ اسی لئے لوگ ان کو وہابی سمجھتے تھے جیسے
آجکل ہر خوش عقیدہ آدمی کو دیوبندی کہہ دیتے ہیں، یہ بھی ایک ہوا ہوتی ہے۔
ایک زمانہ میں کسی کو سرکاری آدمی کہہ دینا قیامت تھا۔ ۱۹۴۲ء میں جہاں کسی کو
سرکاری یا سی، آئی، ڈی کا کہا اور اس بیچارے کی شامت آئی پھر جب مسلمانوں
کی پالیسی بدلی اور انکے سر پر وفاداری اور وطن فروشی کا بھوت سوار ہوا تو
کانگریسی ہونا بہت بڑا عیب ہو گیا۔ اور یہی حال دیوبند کا ہے۔ جہاں کسی کو
خوش عقیدہ دیکھا دیوبندی کہہ دیا۔ اور دیوبندی جاہل مسلمانوں کے نزدیک
ایسا ہے جیسے کوئی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی۔ ایک صاحب مجھ سے فرمانے لگے،
آپ بھی دیوبندی ہیں؟ میں نے کہا اگر میں ترک موالاتی نہ ہوتا تو تم پر لائبل
کر دیتا۔ میں دہلوی ہوں۔ کم و بیش بیس پچیس پشتوں سے دہلی میں رہتا ہو
میں دیوبندی کیوں ہونے لگا۔ وہ مرزا داغ نے خوب کہا ہے ؎

تم نے جادو گر اُسے کیوں کہہ دیا ... دہلوی ہے داغ بنگالی نہیں

تو بھائی صاحب میں دہلوی ہوں دیوبندی نہیں ہوں۔ دیکھو خبردار
مجھ کو دیوبندی نہ کہنا۔

مومن خاں کا شعر

ہاں تو وہ مومن خاں اگرچہ ہر اعتبار سے
قابل تھے لیکن غالب پھر غالب ہے لیجئے
وہ اپنا تمام دیوان ہی مومن خاں کو دینے پر آمادہ تھے۔ اور وہ شعر کیا ہے۔
جس پر مرزا صاحب ایسے لٹو ہو گئے تھے وہ بھی سن لو۔ مومن خاں فرماتے ہیں ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ... جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اب فرمائیے اس شعر میں کیا ہے لیکن کوئی غالب سے پوچھے کہ اس

شعر میں کیا ہے یا مولانا حالی کا شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ حفیظ سے پوچھو اس میں کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے، حالی نے خوب کہا ہے ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دعائے خلیل و نوید مسیحا

وہ کہتے ہیں حضرت آمنہ خاتون کے پہلو سے کیا چیز ظاہر ہوئی سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اور حضرت مسیح کی بشارت ہویدا ہوئی حضرت ابراہیم نے جو دعا مانگی تھی اس دعا کے الفاظ نے اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کے الفاظ نے ایک صورت اختیار کرلی۔ اسی کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھ دیا گیا۔ بعض دفعہ واقعی ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستاں کا اگرچہ جواب نہیں ہوا۔ لیکن وہ دو سطریں جو تیسرے باب میں لکھی ہیں وہ تو ایسی ہیں کہ بڑے بڑے لوگ اپنی تمام تصانیف سعدی کی خدمت میں پیش کرنے کو تیار ہیں کہ سعدی ہماری تمام تصانیف لے لیں اور یہ دو سطریں ہم کو دیدیں لیجئے وہ دو سطریں بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"خواہندۂ مغربی در صف بزازان حلب میگفت، اے خداوندان نعمت اگر شمارا انصاف بودے ومارا قناعت رسم سوال از جہاں برخاستے۔"

بعض لوگوں نے تو قرآن شریف میں بھی یہ فرق کیا ہے۔ یعنی اعجاز میں تو قرآن شریف پورا کا پورا یکساں ہے لیکن باہمی آیتوں میں بلاغت و فصاحت کا فرق کیا جاسکتا ہے چنانچہ ایک صاحب فرماتے ہیں:۔

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن　　گرچہ گوینده بود چوں جاحظ و چوں اصمعی
در کلام ایزد بیچون کہ وحی منزلست　　کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی

شاعر کامعاذاللہ یہ مطلب نہیں کہ تبت یدا کا جواب ہو سکتا ہے کوئی بشر جواب تو تبت کا بھی نہیں لکھ سکتا لیکن خود تبت یدا اور قیل یا ارض ابلعی میں فرق ہے۔

حضرت عمر فاروق رض کا مطالبہ

ماجو اجس طرح شاعری میں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ شاعر کے منہ سے ایسا کلام نکل جاتا ہے کہ دوسرے لوگ اپنی تمام تصانیف پیش کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اسی طرح نیکیوں کا حال ہے بعض دفعہ انسان سے ایسی نیکی ہو جاتی ہے کہ لوگ اپنی تمام نیکیاں دے کر اس نیکی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ ابو بکر میری تمام نیکیاں لے لو اور ایک نیکی اپنی مجھے دیدو۔ وہ ایک نیکی کونسی تھی جو حضرت عمر رض مانگا کرتے تھے وہ حضرت صدیق اکبر رض کا ہجرت کی شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا کر پنجوں کے بل چلنا تھا اور یہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ صبح کو کفار نقش قدم پر تعاقب نہ کریں۔ نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر چلنا یہ ایسی بڑی اور قیمتی نیکی تھی کہ حضرت عمر رض اس پر تمام نیکیاں قربان کرنے کو آمادہ تھے۔

صائب کا واقعہ

اسی طرح صائب جو فارسی کا مشہور شاعر ہے اسکا واقعہ مشہور ہے اس نے ایک تربوز والے کو دیکھا کہ تربوز کی قاشیں لئے بیٹھا ہے وہ آواز لگا رہا ہے۔

"من قاش فروش دل صد پارہ خویشم"

صائب اس مصرعہ کو سنکر تڑپ گیا۔ اور اس نے دوکاندار سے یہ مصرعہ لے لیا اور اسکے تمام تربوز خرید لئے اور اس مصرعہ پر ایک اور مصرعہ لگا کر اس نے شعر بنا لیا

من قماش فروش دل صد پارۂ خویشتم — لختے ہر دا از دل گذرد ہر کہ ز پیشم

یہ حضرت صائب صاحب ایک دن غیر معروف طریقہ پر ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں لوگ مختلف شعراء پر رائے زنی کر رہے تھے انہوں نے دریافت کیا آپ لوگوں نے صائب کا کلام بھی سنا ہے آپ کی صائب کے متعلق کیا رائے ہے۔ ان لوگوں میں سے کسی نے بیساختہ کہا "آں نخوم ساق خوب میگوید" انہوں نے تعریف تو کی لیکن ایک گالی چپکا دی۔ بیچارہ صائب ترنند ہو کر رہ گیا۔ غرض میری یہ تھی کہ اہل ذوق کلام کی قدر کیا کرتے ہیں۔ مومن کے کلام کی قدر غالب نے اور مولانا حالی کے شعر کی قدر حفیظ جالندھری نے کی اور صاحبو! واقعہ بھی یہ ہے کہ مولانا حالی نے خوب ہی فرمایا ہے ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دعائے خلیل و نوید مسیحا

الفاظ و اعمال کا صورت اختیار کرنا آپ جانتے ہیں اعمال اور اقوال صورت اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ قبر میں نماز اور صدقہ مردے کے دائیں طرف ہوتا ہے۔ اور روزہ بائیں طرف میں دریافت کرتا ہوں نماز روزہ کہاں ہے۔ نماز کہاں ہے لیکن عالم برزخ میں انکو شکل عطا کر دی جاتی ہے۔ تبارک الذی کو جانتے ہو جس کا نام سورۂ ملک ہے۔ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کو قبر میں عذاب سے اس طرح بچاتی ہے جس طرح کوئی جانور اپنے بچوں کو پروں میں محفوظ کر لیتا ہے۔

نادر شاہ کا قتل عام جب دہلی میں نادر شاہ نے قتل عام کیا اور سنہری مسجد میں تلوار نکال کر بیٹھ گیا۔ اور ایسی بیدردی سے قتل عام کیا گیا کہ دہلی والوں کا خاتمہ ہی کر دیا تو اس زمانہ کے ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور یہ کیا معاملہ ہے نادر شاہ جیسے بیدرد کو اسطرح

کیوں مسلط کردیا گیا تو انہوں نے فرمایا تھا " شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت " جس طرح نیک اعمال ایک صورت اختیار کر لیتے ہیں اسی طرح بُرے اعمال بھی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ قیامت میں آپ نے سنا ہوگا بخیل کا مال ایک اژدہا بنا دیا جائیگا اور جب تک لوگ حساب میں مشغول رہیں گے وہ سانپ اس بخیل کو یہ کہہ کر کاٹتا رہیگا۔ انا کنزک انا مالک " میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں " بہرحال یہ ایک معروف و مشہور چیز ہے۔ جس شخص کو تھوڑا سا علم بھی ہو وہ اس کو جانتا ہے، ایک فارسی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

بہار عکس و بغض دو چمن جوشے ز روئے گل شد ‫ ‫ فغان از سینہ ام برخاست و خنکلے بست بلبل شد

ز آتش گاہ سوز سینہ ام دودے برون آمد ‫ ‫ بامداد صبا گرد رخش پیچیدہ کاکل شد

اسی مضمون کو ایک اور صاحب نے قلمبند کیا ہے ؎

نالہ ما صورتے بگرفت و بلبل ساختند ‫ ‫ لختہائے دل بہ یکجا جمع شد گل ساختند

آنچہ شد از طاقت ما لم بہ تمکینش فزود ‫ ‫ صبر ما بردند و در چشمش تغافل ساختند

لوگ جسے بلبل کہتے ہیں وہ کیا ہے میرے نالہ و فریاد کی ایک شکل ہے اور جس کو گل کہتے ہیں وہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں جنہوں نے ایک صورت اختیار کرلی ہے اور لوگ اسے گل کہنے لگے ہیں، وہ کہتا ہے میری طاقت سلب کرکے محبوب کا غرور تکبر بنا دیا ہے۔ اور میرے دل کا صبر اس کی آنکھوں میں تغافل کا سرمہ بنا کر لگا دیا ہے میرے سینہ سے آہوں کا دھواں نکلا اور ہوا کے ساتھ معشوق کے چہرے کی بلائیں لیکر کاکل بن گیا۔ میرے عزیزو! یہ بڑی لمبی بحث ہے۔ عالم مثال میں ہر شئے کی ایک شکل ہے اور خواب میں جو کچھ آپ دیکھتے ہیں اور اسکی تعبیر لیا کرتے ہیں اس میں بھی اس مسئلہ کو بڑا دخل ہے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دودھ پیا پھر ابوبکرؓ کو دیا پھر عمرؓ کو دیا

رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دودھ کی تعبیر میں آپ نے فرمایا! واللہ علم! دیکھئے
علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب
میں جو کچھ دیکھا وہ بھی یہی تھا بھائی اور ماں باپ چاند سورج کی شکل میں نظر
آئے۔ عزیز مصر نے خواب میں دبلی اور موٹی گائیں دیکھی تھیں جن سے مراد ارزانی
اور خشک سالی و قحط کے سات سال تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ
عنہا نے اپنے حجرے میں دفن ہونے والوں کو چاند کی شکل میں دیکھا۔ بہرحال
خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اقوال و اعمال ایک شکل اختیار کر لیا کرتے ہیں

کافر کی قبر میں ننانوے سانپ

اچھا آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ جب کوئی کافر اپنی قبر میں نکیرین کا جواب دینے
سے قاصر ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ نکیرین کا سوال
تو جانتے ہو انکا سب سے پہلا سوال مُردے سے قبر میں یہی ہوتا ہے کہ تیرا رب کون
ہے؟ جب قبر میں مردہ آنکھ کھولتا ہے تو عصر کی نماز کا وقت اس کو تنگ معلوم
ہوتا ہے وہ گھبرا کر کہتا ہے مجھ کو نماز پڑھ لینے دو میری نماز قضا ہو جائیگی۔
نکیرین اس کو سمجھاتے ہیں کہ یہ دار العمل نہیں ہے عمل کا سلسلہ ختم ہو گیا
اب تو دار الجزا میں ہے۔ بھلا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت کیوں
نظر آتا ہے۔ اجی آپ کیا بتائیں گے۔ آپ کو خبر ہی کیا ہے اگر اہل علم کی صحبت نصیب
ہوتی تو شاید کچھ بتاتے۔ بھائی چونکہ عصر کا وقت کاروبار کا ہوتا ہے اسوقت
اکثر لوگوں کی نماز قضا ہو جاتی ہے جو شخص اس وقت کی نماز کو احتیاط کیساتھ
ادا کرتا ہے تو اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسری نمازوں کا بھی خیال
رکھتا ہوگا۔ گویا نماز عصر کے لئے اضطراب اور مردے کا گھبرا کر یہ کہنا دعوٰی
اصلی اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ یہ شخص نماز کا خیال رکھنے والا اور

نماز پڑھنے والا ہے۔

نکیرین کا پہلا سوال

اچھا یہ بات تو بتائیے کہ نکیرین سب سے پہلے یہ سوال کیوں کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ نہ سلام نہ دعا نہ یہ دریافت کرنا کہ آپ کا مکان کہاں ہے آپ کے مزاج کیسے ہیں آتے ہی سب سے پہلی بات یہ کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ بھی نہ بتا سکیں گے کیونکہ علم کی بات سے تو آپ کو لگاؤ ہی نہیں۔ میرے عزیزو! یاد رکھو برزخ یونیورسٹی کا سب سے پہلا پرچہ اور سب سے پہلا سوال یہی ہے اور اسی پر دار و مدار ہے اگر یہ پرچہ اچھا ہو گیا اور اس میں پورے نمبر آ گئے تو سمجھو امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ یہ دنیا ایک کالج یا سکول ہے۔ جہاں اس سبق کو یاد کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہو جو میثاق میں پڑھ چکے تھے۔ میثاق میں تم نے الست بربکم کا جواب بلٰی دیا تھا۔ چونکہ سب سے پہلی بات تم کو یہی سکھائی گئی تھی اور اسی کا تم نے وعدہ کیا تھا۔ اور اسی لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے کہ اس وعدے کو فراموش نہ کرنا اسی لئے قبر میں سب سے پہلے یہی سوال کیا جاتا ہے گویا یوم میثاق کے وعدے کا امتحان قبر میں لیا جاتا ہے اور اسی امتحان کی کامیابی پر یہ اعلان کیا گیا:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ	جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہہ چکے ہیں اور پھر
ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡهِمُ	اس وعدے پر استقلال کیساتھ قائم رہتے ہیں
الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا	تو ان لوگوں پر اللہ کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو
تَحۡزَنُوۡا۔	اطمینان کی غرض سے ان کے پاس آتے ہیں اور

ان سے کہتے ہیں تم گھبرانا نہیں اور کسی قسم کا خوف نہ کرنا۔

لہ تحقیق جنہوں نے کہا ہے ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے اترتے ہیں فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ

اب تو آپ سمجھ گئے کہ عالم قبر عالم میثاق کی ہی ایک کڑی ہے سو یہاں جو کچھ کہا تھا اس کو یاد دلانے کے لئے دنیا میں انبیاء تشریف لائے تھے اسی کو قبر میں دریافت کیا جاتا ہے کہ یاد ہے یا فراموش کر گئے۔

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ

جن کو وہ سبق یاد ہے انکی کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت رابعہ سے قبر میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ملائکہ سے فرمایا میں تو اسکو تمام عمر اپنا رب کہتی رہی۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ اس نے بھی کبھی مجھ کو اپنی بندی کہا یا نہیں۔ اجی ہم تمام عمر رب کہتے رہیں تو کیا ہے ہم کو تو سوائے اس کے چارہ بھی کیا ہے کہ ہم اسکو رب کہیں اور اگر ہم ان کو رب نہ کہیں تو ان کا بگڑتا بھی کیا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ بھی ہم کو اپنا بندہ کہتے ہیں یا نہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہم

حضرت ابراہیم بن ادھم نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے مطاف میں دیکھا کہ وہ جب لبیک کہتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ ہم کو مت پکارو، ہم تمہارا جواب دینا نہیں چاہتے مگر تم ہمارے گھر میں کیوں آئے ہو۔ "برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی" عجب ہم تم سے بات کرنا نہیں چاہتے تو تم کیوں آیا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر کہا جو کچھ میں سنتا ہوں تو بھی سنتا ہے۔ اس نے کہا جناب کئی سال سے میرے ساتھ یہی ہو رہا ہے جب پکارتا ہوں۔ جبھی بگڑ کر جواب دیتے ہیں حضرت ابراہیم نے کہا پھر تم کیوں آتے ہو جب صاحب خانہ ناراض ہے تو آنے سے کیا فائدہ اس شخص نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ابراہیم سچ کہتے ہو میری خودداری کا تقاضا یہی ہے کہ جب وہ بات نہیں کرتے تو میں آنا چھوڑ دوں لیکن یہ تو بتاؤ کہ انکو چھوڑ کر جاؤں کہاں میرا تو سوائے

ان کے کوئی ٹھکانا نہیں، ان کو تو پکارنے والے بہت ملجائیں گے لیکن میرا تو
ان کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت ۔۔۔ بہر درکہ رفت ہیچ عزت نیافت

برادرانِ ملت! واقعہ بھی یہی ہے۔ ہمارے رب کہنے سے ان کی عزت افزائی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اگر بندہ بنالیں تو ہماری نجات ہو جائے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بندہ حسن بصد زباں گفتہ کہ بندۂ توام ۔۔۔ تو بزبانِ خود بگو بندہ نوازکیستی
اے تو بحسنِ بادشاہ بندہ نوازکیستی ۔۔۔ پردۂ ماہیں دری محرمِ راز کیستی

یہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا اثر ہے دیکھا آپ نے حضرت حسن نے کس خوبی سے اپنی عاجزی اور بیچارگی کا اعتراف کیا ہے۔ ہاں تو رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب آپ نے سن لیا اب ذرا شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست ۔۔۔ گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانۂ ما

حضرت کی طرف ایک دیوان منسوب ہے اس میں آپ کی یہ مشہور غزل ہے ؎

بے حجابانہ درآ از درِ کاشانۂ ما ۔۔۔ کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

سبحان اللہ کیا مزے کا اثبات اور کس مزے کی نفی ہے۔ قربان جائیے ؎

فتنہ انگیز مشو کاکل مشکیں بکشا ۔۔۔ تاب زنجیر نہ دارد دِل دیوانۂ ما

مجھے شئونات مختلفہ کی زنجیروں میں نہ جکڑیئے کبھی میں اکثریت میں مبتلا ہو کر احدیت سے غافل ہو جاؤں۔

خیر صاحب جو لوگ منکرین کا عمل اپنے شعور کے مطابق انکا تذکرہ ہی کیا کرتا ہے ایک بدنصیب طبقہ وہ بھی ہے جو منکرین کے جواب میں کہتا ہے ھا ھالا ادری

ان کمبختوں کے اس مایوس کن جواب کے بعد اس کی قبر میں ننانوے ۹۹ سانپ مقرر کر دیئے جاتے ہیں بس اب میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ننانوے کی تعداد کیوں ذکر کی گئی سو دیکھو اللہ تعالےٰ کے نام کتنے ہیں۔ ذرا پڑھو۔ یا اللہ یا رحمٰن۔ یا رحیم۔ یا سلام۔ یا قدوس الخ۔ دیکھو یہ نام ننانوے ہیں۔ کافر چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا منکر ہے اس لئے ہر صفت کے انکار نے ایک سانپ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اب پڑھو حالی کا شعر ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا   دعائے خلیل و نوید مسیحا

بس دنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے الفاظ اور حضرت عیسٰیؑ کی بشارت کے الفاظ کا نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھا یہ ہے میلاد شریف نہ ایک تمہارے یہ جاہل اور قصہ گو میلاد خواں میلاد پڑھا کرتے ہیں۔ اچھا وہ دعائے خلیل سنئے۔ حضرت خلیل جب وادی غیر ذی زرع کو آباد کر چکے اور اللہ کے گھر کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ان کو اس آبادی کی روحانی تربیت کی فکر ہوئی رزق کی دعا تو پہلے ہی کر چکے تھے اب فرمایا:۔

ربنا وابعث فیھم رسولا	اے ہمارے پروردگار اس خلیل نگر میں ایک رسول
منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک	ان ہی لوگوں میں سے بھیجو جو انکو تیری آیتیں
ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ	پڑھ کر سنائے اور انکو کتاب اور حکمت کی
ویزکیھم انک انت العزیز	تعلیم دے اور ان کے اخلاق کی اصلاح کرے
الحکیم۔	اے رب تو غالب بھی اور حکیم بھی ہے۔

یہ الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہیں جو انہوں نے بنائے کعبہ سے فارغ

لہ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھادے انکو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے انکو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

ہو کر اپنی دعا میں کہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دعا کو لفظ بلفظ پورا کر دیا اور حبیب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغامبر کو مبعوث کیا تو فرمایا:۔

هُوَالَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ [1]	اللہ تعالیٰ نے امیوں میں ایک امی رسول بھیجا جو انکو اللہ کی آیتیں سناتا ہے۔ انکے اخلاق کی اصلاح کرتا ہے اور انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس رسول کی تشریف آوری سے پیشتر یہ خلیل آباد کے رہنے والے بڑی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ اوصاف حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں ذکر کئے تھے وہی اوصاف اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے تو حضور کی ذاتِ اقدس کیلئے حضرت خلیل کی دعا ہے۔ دہلی کے ایک مشہور شاعر مولانا راسخ فرماتے ہیں ؎

سمجھ لیں داعی خیر البریہ جد امجد کو
اُسے مدعو خلیل اللہ کی ان کو دعا سمجھیں

اچھا صاحب حضرت مسیح کی بشارت کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔ دیکھئے سورۂ صف پارہ اٹھائیسواں۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ [2]	حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

---

[1] وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھکر سناتا ہے انکو اس کی آیتیں اور انکو سنوارتا ہے انکو سکھاتا ہے کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں ۱۲۔

[2] اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس تصدیق کرنے والا اس کی جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانیوالا ایک رسول کی جو آئیگا میرے بعد اس کا نام ہے احمد۔ ۱۲

اسرائیل انی رسول اللہ الیکم	بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تورت
مصدقا لما بین یدی من	جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی اس کی تصدیق
التوراۃ ومبشرا برسول یاتی	کرتا ہوں اور ایک آنیوالے رسول کی بشارت
من بعد اسمہ احمد۔	دیتا ہوں جس کا اسم گرامی احمد ہوگا۔

اب مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت نے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا نے ایک شکل اختیار کر لی تھی اور اس شکل کا ہی نام نبی آخر الزماں ہے۔

انبیاء اور حکماء کا فرق یہ بات تو درمیان میں آگئی تھی۔ ورنہ میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کے حکماء اور فلاسفر کے پاس تو محض قیاس و تجربات ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے پاس مشاہدہ اور عین الیقین ہے ان کا قول حق ہے اور فلاسفہ کا قول ظن اور وہ ظن بھی وہم آلود لیوں سمجھئے کہ اندھوں اور بہروں کا ایک گروہ ہے جو آنکھوں والوں اور کان والوں کا مقابلہ کرنے کی ناکام سعی کر رہا ہے۔ اور تم جیسے احمق ان اندھے بہروں کی تقلید کر رہے ہو۔ حضرت حق نے دونوں گروہوں کی کیا خوب مثال دی ہے فرماتے ہیں دیکھئے وما من دابۃ بارہواں پارہ:۔

مثل الفریقین کالاعمی والاصم	ہر دو فریق کی مثال ایسی ہی جیسے اندھا اور
والبصیر والسمیع ھل یستویان	بہرا آنکھوں والا اور سننے والا کیا یہ دونوں
مثلا افلا تذکرون۔	فرق برابر ہیں کیا تم لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

اندھوں کا ہاتھی وہ قصہ تو آپ نے سنا ہوگا۔ کسی گاؤں میں ایک دفعہ ہاتھی آگیا تھا لوگ ہاتھی دیکھنے گئے تو ایک اندھوں کی

لہ مثال ان دونوں فریقوں کی ایسی ہے جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال کیا تم غور نہیں کرتے۔ ۱۲

ٹولی بھی پہنچی اور ہاتھی کو ٹٹول کر دیکھنا شروع کیا۔ کسی نے اس کی دم پکڑ لی اور اسپر خوب ہاتھ پھیر کر سمجھے کہ ہاتھی یہ ہے۔ کسی صاحب نے پاؤں ٹٹول کر ہاتھی کو سمجھا۔ ایک اندھے کے ہاتھ میں سونڈ آگئی۔ انہوں نے کہا اچھا یہ ہاتھی ہے۔ کسی صاحب نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر سمجھا کہ ہاتھی ایک برج اور گنبد کی طرح گول شے ہے۔ کسی نے ہاتھی کے کان ٹٹول کر دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ ہاتھی ایک چھاج کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ غرض دیکھ بھال کر واپس آئے۔ اول تو آپس ہی میں تو تو میں میں کرتے رہے۔ ایک نے کہا وہ گول ہے۔ ایک نے کہا وہ ستون کی طرح لمبا اور موٹا ہے۔ ایک بولے بالش میں جھاڑو بندھی تھی۔ غرض اول تو آپس میں ہی یہ الجھتے رہے۔ ایک آنکھوں والے صاحب جو ہاتھی کو دیکھکر آئے تھے انہوں نے ان سب اندھوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ اندھے اس بیچارے کے سر ہو گئے۔ کمبخت آپس میں تو لڑتے ہی تھے اس آنکھوں والے کے سر ہو گئے۔ بولے واہ میاں ہم ٹٹول کر آئے ہیں۔ تم بڑے آئے ہمکو سمجھانے والے۔ وہ آنکھوں والا ان اندھوں کو بہتیرا سمجھاتا ہے قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے میں ہاتھی کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر آیا ہوں لیکن یہ اندھے کہاں مانتے ہیں۔ اپنی کہے جاتے ہیں۔ انکو اپنی ٹٹول اور اندازے پر اتنا یقین ہے کہ آنکھوں والے کی تکذیب کر رہے ہیں۔ میرے عزیزو! اسی چیز کی طرف حضرت حق نے والنجم میں اشارہ کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ (افتمرونه على ما يرى) کیا ہمارے پیغمبر سے اسکی آنکھوں دیکھی چیز میں جھگڑا کرتے ہو۔ تم نے ایک چیز دیکھی نہیں اس نے دیکھی ہے تم اس سے جھگڑا کرتے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے اور قیاس سے مشاہدہ کو شکست دینا چاہتے ہو۔

نبی کریمؐ کے مشاہدات

وہ کہتا ہے سات آسمان ہیں میں ہر ایک آسمان پر گیا ہوں ہر آسمان پر مختلف

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے میں نے ملاقاتیں کی ہیں تم کہتے ہو آسمان کوئی چیز نہیں ہے یہ تو محض حد نظر ہے۔ وہ کہتا ہے جنت اور دوزخ کا وجود ہے تم کہتے ہو جنت اور دوزخ کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے مرنے کے بعد دوبارہ جینا ہے، عالم برزخ میں نکیرین سے سوال و جواب ہونا ہے تم کہتے ہو غلط ہے نہ روح باقی رہتی ہے نہ جسم باقی رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں فلاں شخص عذاب میں مبتلا ہے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جعفر طیار جن کے جنگ میں ہاتھ کٹ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو دو پر عطا کر دئے ہیں اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔ بیر معونہ کے شہداء کی ارواح کو میں دیکھ رہا ہوں وہ کہہ رہی ہیں۔

بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا	ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم نے اپنے
ربنا فرضی عنا و رضینا	رب سے ملاقات کر لی سو وہ ہم سے راضی
عنہ۔	ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہیں۔

حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے بے حجاب حاضری کا موقع دیا۔ اور اس سے اس کی خواہش دریافت کی تو اس نے عرض کیا مجھے ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ آپ پر سے قربان ہو جاؤں اور ایک دفعہ شہادت کی لذت سے پھر آشنا ہو کر آؤں۔ ارشاد ہوا۔ عبداللہ یہ نہیں ہو گا۔ ہم دنیا سے اٹھا لینے کے بعد دوبارہ نہیں بھیجا کرتے۔

عبداللہ بن رواحہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ حالانکہ اسکی روح کو جس تخت پر لے جا رہے ہیں اس تخت کا ایک پایہ جھکا ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جنگ میں اس نے جھنڈا لیا ہے تو اس کے قلب میں نامناسب کوئی خطرہ گذرا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ سلوک کیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے میں ایک شخص کو

جنت میں دیکھ کر آیا ہوں کہ وہ بے فکرا جنت میں لوٹ لگا رہا تھا میں نے جبرئیل ؑ سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے جو جنت کے فرش پر بے فکری اور مسرت کے ساتھ کروٹیں بدل رہا ہے۔ جبرئیل نے مجھ سے کہا اس شخص نے راستے میں سے ایک کانٹوں دار درخت کو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اس درخت سے راستہ چلنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی ہر شخص کی ٹوپی اور عمامہ کانٹوں میں الجھ جاتا تھا چونکہ اس نے راہگیروں کی تکلیف دور کی تھی۔ اسلئے اس کو یہ صلہ دیا گیا ہے وہ کہتا ہے چغلخوروں کے کلّے چیرے جا رہے ہیں۔ فرشتے آنکڑا ڈال کر ایک طرف کا کلّہ چیرتے ہیں جب وہ دوسرا کلّہ چیرتے ہیں تو پہلا کلّہ درست ہو جاتا ہے۔ یہ چغلخور اسی طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ وہ کہتا ہے سود خوار ایک خون کی نہر میں غوطے کھا رہا ہے جب وہ کنارے پر پہنچتا ہے تو فرشتے اسکے منہ پر پتھر مار کر پھر اسے خون کی نہر میں جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے زانی مرد اور زانیہ عورتیں آگ کے تنوروں میں عذاب دئیے جا رہے ہیں۔ آپ ان تمام باتوں پر ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب روح باقی نہیں رہتی اور جسم خاک میں مل جاتا ہے تو یہ عذاب و ثواب کس کو ہوتا ہے کینٹ تو اس قسم کی زندگی کا انکار کرتا ہے اور نیٹشے تو حیات ثانیہ کا قائل نہیں ہے۔ رادھے منوجی تو انسان کو مختلف جونوں میں آنے کا فتویٰ دیتے ہیں اور لقراط تو اسی دنیا کو جنت دوزخ کہتا ہے اور عنایت اللہ مشرقی تو انگریزوں کو جنتی کہتا ہے کیونکہ انکو دنیا میں ہر قسم کا عیش حاصل ہے اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جناب کے پاس مضحکہ خیز قیاسات ہیں اور اللہ کے پیغمبر کے نزدیک عینی مشاہدہ ہے تو آپ کے کینٹ اور نیوٹن کی بات مانی جائے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مانا جائے۔ اور میں تو عرض کرتا ہوں اللہ کے پیغمبر جس یقین کے ساتھ واقعہ کے حالات بیان کرتے ہیں

اسی اذعان و یقین کے ساتھ مستقبل کے واقعات بھی بیان کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ آجکل یورپ اور اس کے مقلدوں کو اس پر بڑا ناز ہے کہ انہوں نے سات آٹھ ہزار برس کی تاریخ بنا لی ہے گویا جس زمانہ میں تاریخ نویسی کا فن دنیا میں نہ تھا اس زمانہ کی تاریخ بھی دانایانِ یورپ نے مرتب کر لی ہے لیکن یہ تاریخ کی ترتیب جس طرح ہوئی ہے اور جن جذبات کے ماتحت یہ تاریخیں مرتب کی گئی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اور چیزوں کو جانے دیجئے ہندوستان کی تاریخ اور بالخصوص مسلمانوں کے عہد حکومت کی تاریخ جس طرح مرتب کی گئی ہے اس کی داستان تو ایک المناک چیز ہے۔ انہی تاریخوں کا یہ کرشمہ ہے کہ ہندوستان سے تفریق اور باہمی بداعتمادی مٹنے کا نام نہیں لیتی مسلمانوں کی تاریخ اتنی بگاڑی گئی ہے کہ مسلمان صفائی پیش کرتے کرتے تنگ آ گئے ہیں لیکن ہندو قلوب کا اعتماد حاصل ہونے میں نہیں آتا مظالم کے اتنے فرضی قصے اور خونی داستانوں کی اتنی بھرمار ہے کہ ایک ہندو جب ان تاریخوں کو پڑھتا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون بھر آتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کی غداری، بیوفائی اور مکاری کے اتنے قصے ان تاریخوں میں درج ہیں کہ جب مسلمان ان کو پڑھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ ہندوؤں سے بڑھکر کوئی میرا اور میری سلطنت کا دشمن نہیں ہے۔ یہ حال تو ہندوستان کی تاریخ کا ہے جبکہ تاریخ نویسی کا فن جاری ہو چکا تھا رہا وہ زمانہ جبکہ تاریخ نویسی کا فن ہی موجود نہ تھا اس زمانہ کی تاریخ کا مبنی ابھی تک فاسد اور ظنیات پر ہے آپ کو معلوم ہے یورپ نے یہ تاریخ کس طرح مرتب کی ہے کوئی قبرستان کھودا اس میں کوئی کتبہ مل گیا۔ نالندا کی زمین کھود کر اس زمانہ کی کوئی عمارت نکال لی۔ وہاں سے کچھ مٹی کے برتن مل گئے کچھ سکے مل گئے ان کی تاریخ بن گئی یعنی اب سے دو ہزار برس پہلے گیا میں مٹی کے برتن نہایت نفیس بنا کرتے

تھے مصر کے قبرستان کھود ے تو فراعنہ مصر اور ممی امسنہ مصر کی تاریخ بنا لی۔
غرض یورپ کی تمام تاریخ یا تو گورستان وقبرستان کی مرہون منت ہے یا تالندہ
اونکسلہ کے دفائن سے مرتب کی گئی۔ یا بابل اور عراق کی زمینوں سے بنائی گئی ہے
یا سائنس کے چند نظریوں پر اس تاریخ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ غرض یورپ کی
پوری مایۂ ناز تاریخ اس قابل نہیں کہ کوئی سچا اور صحیح الخیال انسان اس پر اعتماد
کر سکے۔ کہنے کو تاریخ ہے اور یورپ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اس زمانہ
کی تاریخ مرتب کر لی۔ جس زمانہ میں کوئی تاریخ نویسی کا دستور نہ تھا۔ لیکن اس
تاریخ میں زیادہ سے زیادہ ماضی کے واقعات مرتب کیے گئے ہیں۔ وہ جھوٹے ہوں
یا سچے لیکن ایسے سچے جن پر کوئی اصل یا قاعدہ مرتب نہیں کیا جا سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کی تاریخ

اس کے مقابلہ میں ان واقعات کو دیکھیے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بیان
فرمائے ہیں وہ واقعات نہ صرف ماضی کے ہیں بلکہ مستقبل کے بھی ہیں۔ آپ کا
یورپ باایں ہمہ ترقی اور ہوا بازی کے وہاں تک نہیں پہنچا۔ اس کو ان واقعات
کی ہوا بھی نہیں لگی۔ جہاں انبیاء علیہم السلام کی نگاہیں پہنچی ہوئی ہیں۔ تم نے
تو ابھی مادیات میں بھی پوری ترقی نہیں کی پہلے ابھی کیا خبر ہے کہ مادیات میں
کتنی قوتیں پوشیدہ ہیں جہاں ابھی تک تمہاری عقل کی رسائی کبھی نہیں ہوئی۔

مادیات و روحانیات کا فرق

حضرات! جب اب تک مادیات کی ترقی بھی غیر مکمل ہے تو بھلا روحانیت میں
ان کی معلومات کیا ہو سکتی ہیں۔ وہ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کا حصہ ہے۔
اول تو ان مادی لوگوں اور مادہ پرستوں کو روحانیت سے کوئی دلچسپی بھی نہیں
اور اگر ہوتی بھی تو ان کے کیا خاک پلے پڑتا۔ عالم مجردات تو بہت دور ہے یہ تو

اس روح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکے جو انکے مادی جسم میں عرصہ تک مقید رہتی ہے جبکہ انکی عقل روح کے ادراک سے عاجز ہو گئی تو انہوں نے یہ کہکر پیچھا چھڑایا کہ روح کوئی چیز نہیں ہے بلکہ خون کی حرکت کا نام روح ہے۔
صاحبو! میں پھر کہتا ہوں کہ یہ کام صرف انبیاء علیہم السلام کا ہے وہ روحانیت پر تو تمامہ عبور رکھتے ہی ہیں۔ اور مادیات اگرچہ ان کے وظیفہ سے خارج ہے اور انکو اسکی جانب کوئی اعتنا نہیں ہے اور ان کا اطلاق بھی ہے۔
انتم اعلم باموردنیاکم ۔ اپنی دنیا کی باتیں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔
لیکن باایں ہمہ مادیات میں بھی انکی معلومات ان مادہ پرستوں سے بہت زیادہ ہیں۔ اس مسئلہ تاریخ کو ہی لیجئے آپکی تاریخ صرف واقعات ماضیہ کو مشتمل ہے اور وہ بھی محض قیاسی لیکن انبیاء علیہم السلام کی تاریخ جس طرح ماضی کو شامل ہے اُسی طرح مستقبل کو بھی شامل ہے۔ اب آپ فرمایئے آپکو کونسے واقعات سناؤں، ماضی یا مستقبل کے؟ کیا آپ کو یہ بات بتاؤں کہ قیامت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیا بات کریگا؟ کیا آپکو یہ بتاؤں کہ قیامت میں سب سے آخر دوزخ سے نکل کر جو شخص جنت میں جائیگا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اچھا جانے دیجئے آپکو یہ بتاؤں جب اہل جنت اور اہل دوزخ کی ملاقات ہوگی تو کیا گفتگو ہوگی؟ آپ یہ سننا چاہتے ہیں کہ جو مسلمان دوزخ میں ہونگے جب انکو جنتی مسلمان دیکھیں گے تو کیا کہیں گے اور وہ کیا جواب دینگے۔ بولو بولو بھائی! کیا سننا چاہتے ہو کہو تو یہ بتاؤں جب قبروں سے اٹھو گے تو کیا کہتے ہوئے اٹھو گے۔ کہو تو اس شخص کا قصہ سناؤں جس کو فرشتے دوزخ میں لیجارہے ہونگے اور حضرت آدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ دلا کر اس کی شفاعت کرائیں گے۔ اگر آپ فرمائیں تو اہل دوزخ کی باہمی تو تو میں میں کا قصہ سناؤں۔ صاحبو! مجھے تو

مستقبل کی تمام تاریخ معلوم ہے اور ایسے شخص کی مرتب کی ہوئی معلوم ہے جس کی صداقت و امانت پر اس کے دشمن بھی گواہ ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو ماضی کی تاریخ سنانی شروع کروں۔

اولاد آدم کی پیدائش

آپ کو معلوم ہے کہ آپ جتنے حضرات تشریف رکھتے ہیں۔ آپ سب کو اللہ تعالےٰ نے یوم میثاق میں پیدا کر کے آپ کے والد بزرگوار کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس تمام انسانی دنیا کو جو آدم کی صلب سے پیدا ہونے والی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے پیدا کر کے آدم کے روبرو پیش کر دیا تھا۔ اسوقت آپ چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح اپنے باپ کے سامنے پھیلے ہوئے تھے۔ اور اسی وقت دوزخیوں اور جنتیوں میں ایک امتیاز بھی پیدا کر دیا گیا تھا۔ اور آپ کے باپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ تیری اولاد میں سے یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اور یہ لوگ جنت میں جائیں گے بائیں طرف دوزخیوں کو جگہ دی گئی تھی۔ اور دائیں طرف جنتیوں کو۔ آپ کے والد مرحوم جب دوزخی اولاد کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے اور جب جنتی اولاد کو دیکھتے تھے تو خوش ہوتے تھے حضرت حق نے اس وقت آپکے باپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ھٰؤلاء للجنۃ ولا ابالی یہ دائیں سائڈ والے جنت کے لئے ہیں و ھٰؤلاء للنار ولا ابالی اور یہ بائیں طرف والے دوزخ کیلئے ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

یعنے نہ تو اہل جنت کو جنت میں بھیجنے کی مجھے پروا ہے اور نہ اہل دوزخ کو دوزخ میں بھیجنے کی کوئی پروا ہے نہ اس معاملہ میں کوئی دخل دینے والا ہے نہ اس معاملہ میں کوئی مداخلت کرنیوالا ہے۔ آپکو یہ بھی یاد ہے۔ جب آپ کے والد مرحوم اپنی اولاد کو ملاحظہ کر رہے تھے تو اسوقت انہوں نے ایک شخص کے

متعلق دریافت کیا تھا الٰہی یہ کون شخص ہے۔ ارشاد ہوا اسکا نام داؤد ہوگا
اور یہ پیغمبر ہوگا۔ آپ کے والد نے دریافت کیا میرے اس بچے کی عمر کیا ہوگی
ارشاد ہوا اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی پھر آپ کے والد نے دریافت کیا الٰہی
میری عمر کتنی ہوگی۔ ارشاد ہوا ایک ہزار سال۔ یہ سنکر آدم نے عرض کیا الٰہی میں
اپنی عمر میں سے چالیس سال اس اپنے بچے داؤد کو دیتا ہوں اسکی عمر پوری سو
سال کر دیجئے۔ حضرت آدم کا یہ ہدیہ قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ جب دنیا میں حضرت
آدم کی وفات کا وقت آیا تو ملک الموت چالیس سال پہلے قبض روح کیلئے تشریف
لے آئے۔ حضرت آدم نے فرمایا ملک الموت ابھی تو میری زندگی کے چالیس سال
باقی ہیں تو انکو کہا گیا کہ جناب یہ سال تو آپ حضرت داؤد کو دے چکے ہیں۔
لیکن آدم نے انکار کر دیا اور کہا مجھے تو ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں اگرچہ اسکے بعد
حضرت آدم کی عمر پوری کر دی گئی۔ اور حضرت داؤد کو بھی پورے سو سال
عنایت کئے گئے لیکن ارشاد ہوا کہ آدم بھول گیا اسکی اولاد بھی بھولا کرے گی،
آئندہ سے لین دین کے وقت کتابت کر لی جایا کرے۔

قرآن کا قرض ایکٹ

چنانچہ قرآن شریف میں تو پورا ایک باب جس میں تمسک لکھنے کا طریقہ اور گواہی کی شکل
کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اسی باب میں رہن بالقبض کی بحث ہے لیکن میں
اسکو چھوڑتا ہوں کبھی آپ یہ کہنے لگیں کہ وعظ میں لین دین کا ذکر اور
وثیقہ نویسی یا تمسک کا ذکر کہاں سے آگیا کیونکہ تم تو یہی جانتے ہو کہ قرآن میں
صرف روزے نماز کا ذکر ہوگا قرآن میں سیاسی یا اقتصادی باتیں کہاں سے
آئیں ہیں تو اس ذکر کو چھوڑ دیتا ہوں لیکن تم کو بتاتا ہوں سورہ بقرہ کے آخری
رکوع سے پہلا رکوع گھر جا کر پڑھ لینا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ قرآن میں کیا ہے

رکوع کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ — "اے مسلمانو! جب تم آپس میں قرض کا لین دین کیا کرو تو کاغذ لکھ دیا کرو۔"[1]

تم خدا کے کلام کو بھی اپنے ذوق کا بنانا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ صرف ان چیزوں کا نام قرآن رکھ دیا جائے۔

حضرت داؤد و آدم علیہما السلام کی مناسبت

جہاں تک واقعہ کا تعلق تھا وہ میں نے عرض کر دیا لیکن یہ بھی جناب کو معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی تمام اولاد میں سے حضرت داؤدؑ کو کیوں اختیار کیا اور اپنی عمر کا ایک حصہ حضرت داؤدؑ کو کیوں ہبہ کیا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ میں ایک ابوۃ و بنوۃ کی مناسبت تو تھی ہی لیکن ایک مناسبت اور بھی تھی اور وہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام دونوں کا ایک لغزش میں مبتلا ہونا اور اس لغزش کی بنا پر عرصہ تک گریہ وزاری کرتے رہنے کے بعد معافی کا اعلان ہونا۔ لغزش اور اسکا اعتراف اور اس پر اظہار افسوس اور معافی کا اعلان یہ وہ خصوصی اشتراک ہے جو حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی زندگی میں خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی لغزش تو مشہور ہی ہے اس پر جن الفاظ میں اظہار افسوس کیا گیا ہے وہ قرآن داں حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم — اے رب ہمارے ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور[2]

---

[1] اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو اُدھار کا کسی وقت مقرر تک تو اسکو لکھ لیا کرو۔

[2] بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔

تغفر لنا وترحمنا لنکونن — اگر تو ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارے گناہ کی بخشش
من الخسرین۔ — نہ کرے تو ہم سخت زیاں کار رہوں گے۔

جن الفاظ میں معافی کا اعلان ہوا وہ بھی سن لیجئے۔

ثم اجتبٰہ ربہ فتاب[1] — پھر اس کے رب نے اس کی توبہ قبول کرلی۔
علیہ وھدٰی۔ — اسکو برگزیدہ کیا اور حقیقی ہدایت کا اسکو مالک بنا دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی لغزش پر جن الفاظ میں اظہار ندامت کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں :-

وظن داؤد انما فتنٰہ[2] — حضرت داؤد یہ سمجھ گئے کہ وہ امتحان میں مبتلا
فاستغفر ربہ وخر — کردیے گئے۔ انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی
راکعا واناب۔ — اور سجدے میں گر گئے اور خدا کی طرف رجوع ہوئے۔

لغزش کو معاف کردینے اور خطا سے درگزر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

فغفرنا لہ ذلک وان لہ[3] — ہم نے داؤد کو معاف کردیا داؤد ہماری نگاہ میں قریبی
عندنا لزلفٰی وحسن مآب — مرتبہ ہے اور بلند مقام کا مالک ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تو یہ بات ظاہر ہے کہ انہوں نے شجر ممنوعہ کا کچھ حصہ کھا لیا تھا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن میں سے اکثر کا مبنی اسرائیلیات ہے۔ بالخصوص اوریا کے واقعہ

---

[1] پھر نواز دیا اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا۔ [2] اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا۔ [3] پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام اور اس کے لئے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔

میں تو اعتدال سے تجاوز کیا گیا ہے۔ ان اقوال مختلفہ میں سب سے زیادہ جو
انصاف اور سہل ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے روبرو جب مدعی اور
مدعا علیہ حاضر ہوئے اور مدعی نے اپنا فرضی دعویٰ پڑھ کر سنایا تو وہ وقت یا وہ
دن حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا تھا۔ لیکن یہ دونوں خصمان اس تشدد سے
حضرت داؤد کے سامنے جا پہنچے کہ وہ انکے داخلہ سے بہت متأثر ہوئے حضرت داؤد بھی
متأثر ہی تھے اور اس حیرت میں تھے کہ یہ کس طرح آ گئے اور باوجود پولیس کی نگرانی کے
میری عبادت کے اوقات میں کس طرح آ پہنچے کہ ان دونوں میں سے ایک نے اپنا
استغاثہ پڑھنا شروع کر دیا اور استغاثہ سے پیشتر حضرت داؤد سے یہ بھی کہہ دیا کہ

فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط[1] — انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ کیجئے بے انصافی نہ کیجئے
واھدنا الی سواء الصراط۔ — یکطرفی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت کیجئے

حضرت داؤد اس ماحول اور اس انداز گفتگو سے متأثر ہوئے اور مدعا علیہ
کا بیان سننے اور اس کو صفائی کا موقع دینے یا مدعی سے بینہ طلب کرنے سے پیشتر
ہی حضرت داؤد نے فیصلہ صادر کر دیا اور فرمایا:۔

لقد ظلمك بسؤال نعجتك[2] — تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کر کے وہ
الی نعاجه وان كثيرا من — تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکا کی یہی حالت ہے کہ وہ
الخلطاء ليبغي بعضهم على بعض — اپنے شریک پر خواہ مخواہ زیادتی کرتے ہیں۔

بس ایک منصف و خلیفۃ فی الارض کی یہی وہ لغزش تھی جس پر مواخذہ کیا
گیا اور مواخذہ بھی سختی کے ساتھ کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت داؤد عرصہ تک گریہ زاری

---

[1] سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور نہ ڈال بات کو اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ۔
[2] بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دُنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں
اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر۔

میں مصروف تھے اور اسکے بعد معافی کا اعلان کیا گیا یا یوں کہئے کہ جب یہ دونوں متخاصمین دیوار پھاند کر حضرت داؤد کے قریب پہنچے اور انہوں نے اپنے خلیفہ و قتنا سے اس کے مرتبہ اور تعظیم کے خلاف گفتگو شروع کی تو داؤد علیہ السلام اس سے بہت متاثر ہوئے لیکن انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ البتہ فیصلہ سناتے وقت انکی لغزش ہوئی کہ بجائے ظالم کو خطاب کرنے اور اسکو ظالم کہنے کے آپ نے مظلوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ لقد ظلمك بسوال نعجتك الى نعاجه اس تخاطب میں ایک گونہ طرفداری اور جنبہ داری کا ابہام ہوتا تھا جس پر حضرت داؤد کو احساس ہوا اور وہ سمجھے کہ میرا امتحان لیا گیا۔ اور افسوس میں امتحان میں کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے لوگوں کے لئے اتنی ہی لغزش کافی تھی۔ ھکذا قال العلامۃ التھانوی دامت برکاتہ۔

حضرت آدم کو ملائکہ کا سجدہ کرنا حضرات! واقعات ماضیہ اور گذشتہ تاریخ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جن کے پیدا کرنے کا پہلے اعلان ہوچکا تھا۔ مسجود ملائک بنائے گئے۔ کائنات میں اس وقت بہترین مخلوق ملائکہ ہی تھے اور ان سے کہا گیا اسجدوا لآدم۔ اس سجدے کی غرض و غایت اگرچہ حضرت آدم کی عظمت او خلیفۃ اللہ کی بزرگی کا اعلان و اظہار بتایا جاتا ہے لیکن بڑی بات یہ بھی تھی کہ حضرت آدم کے سامنے ملائکہ کو مسجود کر دینے کے بعد اولاد آدم کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے اور آدم کی اولاد اس امر کا خیال رکھے کہ ہم اس باپ کے بیٹے ہیں جس کے سامنے خدا کی بہترین مخلوق سجدہ کر چکی ہے ہمیں اب کسی کے سامنے جھکنا نہیں چاہئے۔ اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی معاذ اللہ کسی انسان سے سجدہ کی خواہش کریں تو وہ انکو صاف جواب دیدے کہ آپ تو میرے باپ کے

سامنے سجدہ کر چکے ہیں۔ میں اسی باپ کا تو بیٹا ہوں۔ میں آپ کے سامنے کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں اور جب فرشتے ہی اس لائق نہ ہوں کہ انکو سجدہ کیا جائے تو دوسری مخلوق کب اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس کے سامنے انسان کی پیشانی جھکائی جائے۔

سجدہ یا حلف وفاداری برادران ملت! جس کو سجدہ کہا گیا ہے وہ آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم کو پیدا کرنے اور اپنا خلیفہ بنانے کے بعد کائنات کے بہترین افراد سے کہا گیا کہ آدم کے سامنے حلف وفاداری اٹھاؤ جب خدا کی بہترین مخلوق نے حلف کر لیا اور ارباب حل وعقد نے اطاعت قبول کر لی تو اس کے بعد پھر کسی کی کیا مجال کہ کوئی فرد سرتابی کر سکے یہ اس حلف وفاداری ہی کا نتیجہ ہے کہ انسان کائنات کے ذرے ذرے پر حکمرانی کر رہا ہے، ابھی جو میں حیوانات و نباتات کی تسخیر وتذلیل کا ذکر کر چکا ہوں اور عالم علوی وسفلی کی خدمات کو بیان کر چکا ہوں وہ کیا ہے۔ اسی حلف وفاداری کا نتیجہ تو ہے۔ ملائکہ بھی اسی خدمات انسانی میں کائنات کے دوسرے اجزاء اور دوسرے افراد کے ساتھ شریک ہیں۔ سورۂ والنزعت میں ان اہل خدمات ملائکہ کو مدبرات امر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا[1] خدا کے حکم سے مخلوق کے کام بناتے ہیں۔

بعض حضرات نے ان مدبرات امور سے علماء اور اولیاء اللہ کی ارواح طیبہ مراد لی ہیں بعض نے فقط ملائکہ کو ہی مراد لیا ہے اور اپنے اکابر کا میلان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ اور ارواح طیبہ دونوں کو مدبرات امور میں داخل کرتے ہیں

---

[1] پھر کام بنانے والوں کے حکم سے

کما صرح به الشهید رحمه الله تعالیٰ فی منصب الامامة جو ملائکہ تدبیر امور سے متعلق ہیں وہ مسلمانوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر تدبیر امور کو عام کیا جائے اور ان میں مسلمانوں کی دعا کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر یہ مطلب ہوگا کہ جملہ ملائکہ تدبیر امور میں مصروف ہیں اور اگر تدبیر امور کو عام نہ کیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ بعض ملائکہ فقط مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور بعض نوع انسانی کی دیگر خدمات انجام دیتے رہتے ہیں اس تقدیر پر دعا مسلمانوں کیلئے مخصوص ہوگی اور باقی خدمات کا تعلق عام انسانوں کے ساتھ ہوگا۔

آیات قرآنی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر امور عام ہے جس میں استغفار بھی شامل ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کیلئے استغفار کرنا ان ملائکہ مقربین کے سپرد ہے جو عرش الٰہی یا عرش الٰہی کے آس پاس رہتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ مومن میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم ویستغفرون للذین امنوا۔ ربنا وسعت کل شیٔ رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلك وقهم عذاب الجحیم ۔ ربنا وادخلهم جنت عدن التی وعدتهم ومن صلح من اباٰئهم وازواجهم وذریتهم انك

لہ جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور اس پر یقین رکھتے ہیں اور گناہ بخشواتے ہیں۔ ایمان والوں کے اے پروردگار ہمارے ہر چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش اور خبر میں سو معاف کر انکو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر اور بچا انکو آگ کے عذاب سے اے رب ہمارے اور داخل کر انکو سدا بسنے کے باغوں میں جن کا وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو انکے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں بیشک تو ہی ہے زبردست حکمت والا اور بچا انکو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی بڑی مراد پانی۔

انت العزیز الحکیم وقھم السیئات ومن تق السیئات یومئذ فقد رحمتہ وذلک ھو الفوز العظیم۔

یہ وہ دعا ہے جو مسلمانوں کے لئے ملائکہ مقربین کیا کرتے ہیں۔ اے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم تو ہر شئے سے وسیع تر ہے جو بندے تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تیرے راستہ کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی مغفرت کر دیجئے۔ اور انکو دوزخ سے بچا لیجئے۔ اے پروردگار ان لوگوں کو جنت میں داخل کر دیجئے۔ آپ نے جس جنت کا مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے۔ اس میں انکو داخل کر دیجئے۔ اور انکو ہر قسم کی برائی سے بچا لیجئے جس کو آپ نے قیامت کے دن برائی سے بچا لیا۔ اس پر آپکی انتہائی رحمت اور انتہائی فضل ہوا کسی مسلمان کا عذاب سے بچکر جنت میں داخل ہو جانا بہت بڑی کامیابی ہے اس صورت میں ملائکہ مقربین دعا کرنے والے ہیں اور یمد عولھم الذین امنوا ہیں سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

والملئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض سورۂ شوریٰ میں استغفار کو تمام بنی نوع انسانی کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس عموم استغفار میں کفار بھی داخل ہیں لیکن طلب مغفرت کی نوعیت مختلف ہے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ اھل العلم۔ بہرحال یہ اسی صدق وفاداری کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف عالم سفلی اور عالم علوی آپ کی خدمت میں مصروف ہیں بلکہ ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے بھی انسانی ضروریات کی تدابیر میں مشغول ہیں۔

برادران ملت! میں آپ سے کہا کرتا ہوں

یوم میثاق کے دو اقرار نامے کہ لٹریچر کی کمی نہیں ہے۔ خدا کی قسم میرے سامنے ایک سمندر موجیں مار رہا ہے میں بیان کرتے کرتے تھک جاتا ہوں میرا دماغ اور سینہ بیکار ہو جاتا ہے۔ کبھی حافظہ جواب دے دیتا ہے لیکن اس سمندر

میں ایک قطرہ کم نہیں ہوتا۔ اسلامی لٹریچر کی کمی نہیں ہے لیکن افسوس بیان کرنے والے نہیں ہیں۔ ان جاہل اور قصہ خواں مولویوں سے خدا سمجھے انھوں نے تمہارا مذاق خراب کر دیا ہے میں سچ کہتا ہوں اگر تم کو اہل علم کی صحبت میسر ہو اور تم کو قرآن و حدیث کا ذوق ہو جائے تو تم دیکھو کہ اللہ کا کلام اور اسکے معنی میں پیغمبر کے کلمات طیبات میں کس قدر رموز و حقائق پوشیدہ ہیں۔ اگر تم بیمار ہوتا ہے تو بہترین طبیب کی تلاش کرتے ہو۔ ڈاکٹر انصاری اور حکیم عبدالوہاب صاحب جو طبیب حاذق ہیں انکی خدمت میں حاضر ہوتے ہو اور کہتے ہو کہ حاذق کے ہاتھ کی موت عطائی کے ہاتھ کی شفا سے اچھی ہے کسی ایسے دوا فروش کو جو صندوقچہ بغل میں دبائے پھرتا ہو تم نبض نہیں دکھاتے لیکن جہاں روح کے علاج کا معاملہ پڑتا ہے وہاں تم حقیقی علماء کو چھوڑ کر ان بازاری قصہ خوانوں پر کیوں اعتماد کر لیا کرتے ہو۔ اب آپ ہی فرمایئے اگر ماضی اور مستقبل کی تاریخ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت مرتب ہوئی ہے اور جس کا مبنی یقین ہے ظن اور وہم نہیں ہے۔ آپکو سنانی شروع کر دی جائے تو بتایئے کیا یہ سلسلہ ختم ہو سکتا ہے میری اور آپکی عمر تمام ہو جائے لیکن اس تاریخ کا ایک صفحہ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اب ذکر آگیا ہے تو ایک بات اور عرض کر دوں۔ آپکو معلوم ہے یوم میثاق کی صبح کو دو عہد نامے مرتب ہوئے تھے ایک پر تو عام بنی نوع انسان سے دستخط کرائے گئے اور دوسرا عہد ان حضرات سے لیا گیا جو اس دنیا میں پیغمبر بنکر آنے والے تھے۔ تم کو شاید اپنا اقرار اور عہد تو یاد ہو گا۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی جناب کا اقرار تو وہی ہے جسے ہر کس و ناکس جانتا ہے اور اب تو تم سے سن سنکر کافر بھی جان گئے یعنی فطرت کی خاموش زبان نے تم سب کی ارواح کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیوں جی! کیا ہم تمہارے رب نہیں ہیں؟ تم سب نے جواب میں متفقہ طور پر کہا تھا

بے شک ہم آپ کی ربوبیت کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں۔ جب تم نے اقرار کر لیا تو فرمایا اب دنیا سے لوٹ کر جب آؤ تو یہ نہ کہہ دینا کہ ہم کو تو آپ کے رب ہونے کا علم نہ تھا۔ دنیا میں آپ کی روح کو مٹی کا کلوروفارم سونگھا کر بھیج دیا ہے جو روحیں کمزور ہیں وہ تو بالکل فراموش کر بیٹھیں اور جن کی روحیں قوی ہیں ان کو وہ اقرار اب تک یاد ہے اور وہ دوسروں کو بھی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ یہاں بھیجنے کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ آپ کا امتحان لیا جائے اور یہ بات ظاہر کی جائے کہ عالم مجردات کے بسنے والے مادیات کی قید میں مبتلا ہو کر بھی ہمارے اقرار کو یاد رکھتے ہیں۔ اصل معاملہ تو صرف اس قدر ہے ورنہ ہمیں اس عالم سے کیا مطلب نہ ہم یہاں کے رہنے والے ہیں نہ یہاں ہماری دلچسپی کا کوئی سامان ہے ہم تو عالمِ بالا کے رہنے والے ہیں۔ ایک خاص مصلحت حکمت کے ماتحت اس عالم مادی میں بھیج دیے گئے ہیں۔ ورنہ کہاں ہم اور کہاں یہ عالم۔ آپ کے دہلی کے بیدل نے کیا خوب فرمایا ہے۔ دہلی کا بیدل میں نے اس لئے کہا کہ ایک بیدل عظیم آبادی بھی ہیں جن کو لوگ جانتے بھی نہیں۔ پچھلے دنوں علامہ سید سلیمان ندوی افغانستان تشریف لے گئے تھے۔ ڈاکٹر اقبال اور راس مسعود بھی ہمراہ تھے۔ وہاں شاہی دعوت کے بعد گانے کی اجازت طلب کی گئی تو علامہ نے فرمایا اگر مزامیر اور آلات لہو نہ ہوں تو نعت و حمد سننے میں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ایک قوال نے بیدل عظیم آبادی کی غزل سنائی۔ دیکھئے ہندوستان کے لوگ تو بیدل عظیم آبادی کو جانتے بھی نہیں لیکن افغانستان میں ان کا کلام شاہی درباروں میں پڑھا جاتا ہے۔ اسلئے میں نے بیدل دہلوی کی طرف اشارہ کیا تاکہ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے۔ بیدل صاحب فرماتے ہیں ؎

کہ کشید دامن فطرتت کہ بقید ما و من آمدی ۔ تو بہار عالم دیگری زکجا دریں چمن آمدی

صاحبو! یہاں کا آنا تو ایک غرض کے ماتحت ہے ورنہ ہمیں اس عالم سے کیا تعلق، بات صرف اتنی ہے کہ جو اقرار عالم میثاق میں کیا ہے اس کو عالم سفلی میں فراموش نہ کردیں۔ بلکہ اس پر قائم رہیں۔ اسی لئے فرماتے ہیں ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ سوال استقامت کا ہے کہنے کو تو بلٰی انت ربنا سب ہی کہہ کر آئے تھے لیکن آج کون ہے جو استقامت کا ثبوت دے رہا ہے۔ اسی عالم ارواح کی طرف حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے اشارہ کیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی سے ہر شخص واقف ہوگا۔ خواص کے گروہ میں مولانا جامی کو فنافی الرسول کا مرتبہ حاصل ہے۔ فرماتے ہیں ؎

دلا تا کے درین کاخ مجازی — کنی مانند طفلاں خاکبازی

تو بی آں دست پرور مرغ گستاخ — کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ

چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی — چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی

بیفشاں بال و پر ز آمیزش خاک — بپر تا کنگر ایوان افلاک

عناں تا کے بدست شک سپاری — بہر یک رشتہ ہا ربی آری

خلیل آسا در ملک یقین زن — نوائے لا احب الافلین زن

کیوں صاحب آپ مرغ دست پرور بھی جانتے ہیں۔ بادشاہوں کے ہاتھ پر جو باز رہتا تھا اسے دست پرور کہا کرتے تھے۔ پھر یہ لفظ ان لوگوں کیلئے استعمال ہونے لگا جو بادشاہوں کے پروردہ اور ان کے منظور نظر ہوا کرتے تھے مولانا کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان کا تعلق تو اصل میں اس عالم سے ہے یہاں آکر تو نے اپنے کو بری صحبت میں تباہ کر لیا۔ صاحبو! ہم تو اصل میں عالم ارواح کی وہ چڑیاں ہیں جن کا آشیانہ عرش الٰہی کی کڑیوں کے چھجوں میں تھا ہم اور بھلا یہ قفس خاکی! ہم کہا یہاں ہمیشہ بسنے اور رہنے کے لئے

آتے ہیں! بھائی سن لو! اعتراف ربوبیت اور اظہار ربوبیت پر دارومدار ہے اس اقرار پر جو قائم ہے وہی کامیاب ہے۔

لفظ رب کی عمومیت

برادران ملت! چونکہ حضرت حق کی ربوبیت کا اقرار ہمارے اقرار نامہ میں موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنے وعظ میں اپنی تقریر میں اپنی دعا میں اسی لفظ رب کا بار بار استعمال کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا تو مشہور ہی ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔

اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم سخت زیاں کار ہو جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:-

یٰقوم[۱] لیس بی ضللۃ ولکنی رسول من رب العلمین ابلغکم رسلت ربی وانصح لکم واعلم من اللہ ما لا تعلمون۔

اے میری قوم میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا ایک رسول ہوں اور تم کو اپنے رب کا پیام پہنچانے آیا ہوں میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور جو باتیں مجھ کو معلوم ہیں وہ تم نہیں جانتے۔

حضرت ہود علیہ السلام اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:-

ابلغکم[۲] رسلت ربی وانا لکم ناصح امین۔

میں اپنے رب کا پیام تم کو پہنچاتا ہوں میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور امانت دار ہوں۔

۱؎ اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے پروردگار کا۔ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تم کو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے۔ ۱۲

۲؎ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اطمینان کے لائق ۱۲

سورۂ ہود میں حضرت ہود علیہ السلام کی ایک تقریر کا تذکرہ ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے :۔

یٰقَوْمِ[1] اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۔	اے قوم اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اس کی طرف متوجہ ہو جا۔

تقریر ذرا لمبی ہے اس میں آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

اِنِّيْ[2] تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۔	میں نے اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی تقریر ملاحظہ ہو :۔

لَقَدْ[3] اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ	میں تم کو اپنے رب کا پیام پہنچاتا ہوں تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

ایک اور تقریر میں فرماتے ہیں :۔

یٰقَوْمِ[4] اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ۔	اے میری قوم اگر میرے رب نے مجھ کو دلائل کے ساتھ بھیجا ہو تو پھر تمہارا کیا حشر ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنے ایک اعلان میں فرماتے ہیں۔

قَدْ[5] جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔	میں تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے دلائل لے کر آیا ہوں۔

ایک اور تقریر میں فرماتے ہیں :۔

---

[1] اے قوم گناہ بخشوا لو اپنے رب سے پھر رجوع کرو اس کی طرف۔ ۱۲ — [2] میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا تمہارا۔ [3] میں پہونچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم کو محبت نہیں خیر خواہوں سے۔ [4] اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے [5] تمہارے پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی ۱۲

یقوم ارءیتم ان کنت علی	اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو تو اگر پروردگار
بینۃ من ربی ورزقنی	نے مجھکو بھیجا ہو اور اس نے مجھ کو نبوت عطا کی ہو اور
منہ رزقا حسنا۔	تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ تو بتاؤ تمہارا انجام کیا ہو گا۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے ایک اعلان میں فرماتے ہیں:۔

ما اسئلکم علیہ من اجران	میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا۔ میری
اجری الا علی رب العلمین۔	مزدوری تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

دیکھئے ہر پیغمبر کی دعا اور پیچھوں میں رب کا نام لینا ہے تا کہ عالم میثاق کا اقرار یاد آجائے۔ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا تو مشہور ہی ہے:۔

ربنا واجعلنا مسلمین لک	(اور) اے رب ہمارے ہم کو مسلمان بنا دے۔
ربنا تقبل منا انک انت	(اور) اے رب ہمارے ہماری خدمت کو قبول
السمیع العلیم۔	فرمالے بیشک تو سمیع بھی ہے اور علیم بھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو قرآن میں مناظرہ بھی ذکر کیا گیا ہے جو اسی لفظ رب پر ہوا ہے۔ دیکھئے تلک الرسل کا دوسرا رکوع۔ اور واذا سمعوا میں قوم سے جو گفتگو ہوئی ہے وہاں بھی بار بار ھذا ربی کہا ہے۔

حضرت زکریا کی دعا ملاحظہ ہو:۔

رب لا تذرنی فردا و	اے رب مجھ کو بے اولاد کا نہ رکھ تو تمام وارثوں
انت خیر الوارثین۔	سے بہتر وارث ہے۔

لہ اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ آگئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی۔ ۱۱-۱۵ مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر۔ ۳ اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکمبردار اپنا۔ ۴ اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ ۵ اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر وارث۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا سنئے:۔

ربّ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ اے رب مجھ کو تو بیماری لپیٹ ہی پڑی اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے

حضرت الیاس علیہ السلام اپنے ایک لیکچر میں فرماتے ہیں:۔

اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین اللہ ربکم ورب اٰبائکم الاولین۔ تم بعل کی بندگی کرتے ہو اور اس رب کو جو میرا اور تمہارا اور تمہارے باپ داداؤں کا رب ہے اسے چھوڑے بیٹھے ہو۔

اب تو وہ بعل بت نکل بھی آیا ہے جس کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ملاحظہ ہو:۔

ربّ اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ اے رب میری مغفرت کر دے اور مجھ کو ایسی مخصوص سلطنت عطا کر دے جو میرے بعد کسی دوسرے شخص کے لئے مناسب نہ ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا تو میں ابھی ذکر ہی کر چکا ہوں۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا اعلان تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔

انا رسول رب العلمین۔ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔

حضرت موسیٰؑ سے تو اس لفظ رب پر فرعون نے پوری بحث کی اور جب مناظرے میں موسیٰؑ کو قائل نہ کر سکا تو جیل خانہ کی دھمکی دی اس بدبخت کی سمجھ میں

---

۵۱ اے رب مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب سے زیادہ رحم والا۔

۵۲ کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ داداؤں کا۔ ۵۳ اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے۔

رب العالمین ہی نہیں آیا جو نا لائق ہو وہ انا ربکم الاعلیٰ کا مدعی ہو وہ رب العلمین کو کیسے سمجھ سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی سُن لیجئے۔

ربنا انزل علینا مائدۃ[1] من السماء۔ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل فرما دیجئے۔

غالباً اب تو آپ کی سمجھ میں الست بربکم کی اہمیت آگئی ہوگی۔ اور خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان بھی سُن لیجئے

اتحاجوننا فی اللہ وھو ربنا و ربکم۔[2] تم مجھ سے اللہ رب العزت کے معاملہ میں بحث کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے

جو رسول ... بھی اللہ کی طرف سے مبعوث ہو کر آیا ہے اس نے اپنی دعا میں اور تقریر میں عام طور سے لفظ رب کا استعمال کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ زندگی کا مقصد اصل میں حضرت حق جل مجدہ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ اب تو آپ کے ذہن میں نکیرین کے سوال کا حل بھی آگیا ہوگا جن کی روح قوی ہے اور مادی دنیا ہو جاتا نہیں ہوتی وہ آج بھی حضرت حق کی ربوبیت کے قائل ہیں اور قبر میں بھی انشاء اللہ اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے دے دینگے لیکن جن بدنصیبوں کی روح پر مادیت غالب آگئی ہے وہ آج بھی اپنے رب کو فراموش کر چکے ہیں اور قبر میں بھی

ھاھا لا ادری۔ افسوس میں نہیں جانتا کہ میرا رب کون ہے

ہی کہیں گے جن ارواح خبیثہ پر مادیت کا غلبہ ہے انکی حالت یہ ہے کہ فرعون اور نمرود تو اپنے ہی کو رب سمجھتے تھے۔ ان کا تو ذکر ہی کیا اسی طرح مشرکین کو بھی چھوڑ دیجئے ان کمبختوں کے ارباب کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں وہ تو حضرت یوسف

---

[1] اے رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے۔ [2] کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہ ہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا۔

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیل خانے والی تقریر میں فرمایا ہی تھا دیکھئے اللہ کے
پیغمبروں کو بھی کیسی اپنے کام کی دھن ہوتی ہے۔ مصری گورنمنٹ نے جیل خانہ
بھیجدیا اور حضرت یوسف ؑ نے موقع پاکر اپنا کام شروع کردیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل

آپ کو معلوم ہے حضرت یوسف علیہ السلام بھی
جیل خانے بھیجے گئے تھے اور یہ قید پولٹیکل معاملہ میں ہوئی تھی۔ مصری گورنمنٹ
نے اپنی پالیسی کی خاطر ایک بے گناہ پردیسی کو جیل میں ڈال دیا تھا۔ شاید
آپ کو معلوم نہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی گوالیار کے قلعہ
میں جہانگیر کے حکم سے قید رہ چکے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
جن کے ہم لوگ مقلد ہیں، ان کا تو انتقال بھی مشہور ہے کہ جیل خانہ میں ہوا ہے
علامہ سرخسی صاحب محیط بھی بیچارے جیل جا چکے ہیں پھر اس قصہ کو چھوڑیئے
وہ کونسا دور ہے جس میں حق گو علماء کو جیل خانہ نہیں بھیجا گیا آج کل تو بھلا
انگریزوں کی حکومت ہے مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں علماء کے ساتھ
کونسا اچھا سلوک ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں بھی غدار اور خوشامدی اور حکومت
پرست ہوا کرتے تھے۔ یہ آج کوئی نئی بات نہیں ہے جس طرح آج ٹوڈی اور
حکومت پرست عام مسلمانوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہیں اسی طرح اس
زمانہ میں بھی ذلیل اور مردود تھے۔

معافی کا دستور

جس طرح آج پولٹیکل قیدیوں سے معافی منگوانے کی
کوشش کی جاتی ہے اسی طرح اس زمانہ میں بھی
دستور تھا۔ آپ نے حجاج کا تو وہ قصہ سنا ہی ہوگا۔ ایک دن حجاج خطبہ پڑھنے
کھڑا ہوا اور حسب عادت خطبہ میں اہلبیت کو برا بھلا کہنا شروع کیا حجاج کا

خطبہ کسی قدر طویل ہوگیا اور جمعہ کی نماز کو ذرا تاخیر ہونے لگی تو ایک حق گو مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے پکار کر کہا حجاج خطبہ کو ختم کر نماز کا مستحب وقت جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں حجاج جیسے موذی کو ٹوکنا اور وہ بھی اسکی تقریر میں آسان نہ تھا خطبہ ختم بھی نہ ہونے پایا کہ یہ بیچارا جیل بھیج دیا گیا۔ نماز کے بعد کچھ خواص اور حاشیہ نشین حضرات نے حجاج کو توجہ دلائی۔ حجاج نے کہا اس نے ہم کو تقریر کے دوران میں روکا۔ ان خوشامدیوں نے کہا حضور اس کا دماغ ماؤف ہے اس کو تو دورہ ہوا کرتا ہے۔ حجاج نے کہا اچھا اگر وہ معافی مانگ لے تو میں اس کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ یہ ٹولی جیل خانے پہنچی پہلے تو اس نے ان بزرگ کو سمجھایا بھیا تم جانتے ہو وہ ایک ظالم بادشاہ ہے حجاج کی طبیعت سے تم واقف ہو، ذرا صبر کر لیتے، کوئی نماز کا وقت نکلا تو نہیں جاتا تھا، خواہ مخواہ بیچ میں بول پڑے، خیر چلو اللہ نے بڑی خیر کی ہماری کوششوں سے کام ہوگیا اور حجاج نے ہماری بات مان لی۔ وہ بزرگ اول تو خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کی باتیں سنتے رہے۔ پھر انہوں نے فرمایا آپکی کیا بات مان لی اور وہ آپ کی کونسی کوشش بارآور ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا، حجاج نے حکم دیدیا ہے کہ اگر آپ معافی نامہ پر دستخط کر دیں تو آپ کو رہا کر دیا جائیگا۔ انہوں نے سنکر فرمایا کیا خوب تمام عمر میں ایک ہی تو نیک کام کیا ہے اسی کی معافی مانگ لوں۔ ایک ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی ہے تو اس سے معافی کس طرح مانگی جا سکتی ہے یہ لوگ بیچارے اپنا سا منہ لیکر چلے آئے اور اس ٹولی کو اس اللہ کے بندے نے ایسا ٹکا سا جواب دیا کہ منہ دیکھتے رہ گئے اگرچہ حجاج نے ان کو اس انکار کے باوجود رہا کر دیا لیکن یہ اپنی بات پر ثابت قدم رہے۔ اور آج کل کے وطن فروش مولویوں کی طرح ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ پر عمل نہیں کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ہمراہی

حضرت یوسفؑ جب ایک سیاسی معاملہ میں قید ہوئے تو انہوں نے جیل میں تبلیغی کام شروع کر دیا چنانچہ ایک طویل تقریر میں اپنے ساتھیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یصاحبی السجن ءارباب[1]	اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سی
متفرقون خیر ام اللہ	متفرق ارباب بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ اور
الواحد القہار۔	زبردست قوت والے معبود کی عبادت اچھی ہے۔

حضرت یوسف کی اس تقریر ہی سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین تو ان گنت ارباب کے قائل ہیں، ان کو تو عالم میثاق کا عہد یاد ہی نہیں، وہ خدا کو کیا رب کہیں گے۔ انکو تو ارباب باطلہ کی پرستش سے ہی فرصت نہیں ہیں تو آپ کو اہل کتاب کا قول سنانا چاہتا ہوں جو آج کل آپ کے بڑے گہرے دوست بنے ہوئے ہیں۔ اور جن کو آپ اپنی زندگی کا سہارا خیال کرتے ہیں۔

مشرکین اور اہل کتاب کا فرق

آپ بہت سہارا کرتے ہیں وہ اہل کتاب ہیں بعض خوش فہم تو اہل کتاب کے علاوہ حکومت متسلطہ کو معاہد بھی کہتے رہیں۔ اللہ رے خوش فہمی۔ یہ عہد خوب ہے جو ایک فریق کے ہر نقض کے بعد بھی قائم ہے قرآن تو کہے۔

اما تخافن من قوم خیانۃ[2]	اگر کسی معاہد قوم کی جانب سے خیانت کا خطرہ
فانبذ الیہ علی سواء۔	ہو تو اس کو اطلاع دیکر عہد کو ختم کر دو۔

---

[1] اے رفیقو! قید خانے کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست؟

[2] اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینکدے ان کا عہد ان کی طرف اسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر ۱۲۔

جہاں صرف خیانت کے خطرے پر نبذ کا حکم ہو وہاں وقوع خیانت کے بلوجود بھی مفروضہ عہد کی پابندی اگر مضحکہ خیز نہیں ہے تو کیا ہے۔ بھائی میں عرض کرونگا یہ فرق بھی عدم تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہے۔ اچھا ذرا "لم یک" تو بتاؤ لم یک جانتے ہو کونسی سورت ہے اس سورت کا نام اصل تو بینہ ہے لیکن تم جس طرح عم یتسا لون کو آم کا پارہ کہتے ہو اسی طرح بینہ کو لم یک کہتے ہو، اس لئے میں نے بھی لم یک کہدیا اس سورت میں حضرت حق نے مومن اور کافر کا خطاب کر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تمہارا نام کیا ہے اور تمہارے مخالفوں کا لقب کیا ہے۔ فرماتے ہیں

انّ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے یہ تمام اولٰئک ھم خیر البریۃ۔ مخلوق میں بہترین لوگ ہیں۔

دیکھو یہ خیر البریہ یاد رکھنا یہ تمہا[را نام] ہے۔ اب آگے چلئے۔

انّ الذین کفروا من اھل الکتٰب [جو لوگ] کافر ہیں خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل والمشرکین فی نار جھنم خلدین [کت]اب یہ سب کے سب جہنم میں ہمیشہ رہنے والے فیھا اولٰئک ھم شر البریۃ۔ ہیں اور مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔

سُن لیا! اس آیت میں مشر[ک]ین کے ساتھ اہل کتاب کا نام بھی آیا یا نہیں؟ تمہارا کیا نام ہے، خیر البریہ یاد رکھنا [تمہا]رے علاوہ دوسروں کا نام شر البریہ، دیکھو یہ دونوں لفظ یاد رکھنا اور آئندہ مشر[کین] و اہل کتاب کے نام سے دھوکہ نہ کھانا ممکن ہے کہ یہ کہا جائے آیت میں تو انجام کے اعتبار سے دونوں کو یکساں کہا گیا ہے میں عرض کروں گا گفتگو تو انجام ہی میں ہے، رہا برتاؤ تو برتاؤ میں نہ مشرکین برابر ہیں نہ اہل کتاب

لہ وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر۔

لہ اور جو منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہوں گے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اس میں وہ لوگ ہیں سب خلق سے بدتر۔

جس طرح بعض مشرکین برتاؤ میں نرم ہیں اسی طرح بعض اہل کتاب بھی برتاؤ میں نرم ہیں اور جو یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ مشرک ہیں وہ اہل کتاب ہیں تو کس اعتبار سے کہا کرتے ہیں۔ آپ کا مطلب بھی تو یہ ہوتا ہے کہ اہل کتاب مذہبی اعتبار سے ہم سے زیادہ قریب ہیں اور مشرکین باعتبار مذہب دور ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کوئی دور ہو یا قریب انجام کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ انجام میں کیا؟ نام بھی دونوں کا شر البریہ ہے سگ زرد برادر شغال۔ الکفر ملۃ واحدۃ۔

اہل کتاب سے شکایت آپ تو مشرکین کو کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں مجھے اہل کتاب سے زیادہ شکایت ہے مشرکین کے ہاں تو نبوت کا روح ہی نہیں ہے۔ وہ نبوت کو جانتے ہی نہیں۔ ان کے ہاں تو خدا کا اوتار ایک انسان بن سکتا ہے لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ ایک انسان انسان رہتے ہوئے خدا کا نبی ہو سکتا ہے لیکن اہل کتاب تو نبوت سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ محمدی مسلمانوں نے ہمیشہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی اسی طرح عزت کی ہے جس طرح وہ اپنے پیغمبر کی کرتے ہیں۔

صاحبو! ہم نے توریت وانجیل کی تصدیق کی ہے۔ ہم نے ہمیشہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی آبرو اور عزت پر اپنا خون بہایا ہے۔ ہم نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو خدا کا برگزیدہ پیغمبر کہا ہے۔ ہم نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی توہین کرنیوالوں کو اسی طرح کافر کہا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنیوالوں کو کافر کہا ہے۔ ہم نے تمام امت محمدیہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی اور رسول کہلوایا ہے۔ ہم نے حضرت مریم کا ہمیشہ احترام کیا ہے اور انکو پاکدامن بتایا ہے لیکن کیا آج تک کسی یہودی یا عیسائی نے ہمارے پیغمبر کو پیغمبر کہا ہے؟ کیا کوئی عیسائی یہودی اس کے لیے تیار ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا بھیجا ہو

پیغمبر کہدے ہمکون کہہ سکتا ہے کہ آجتک کسی موسائی یا عیسائی نے ایسا کہا ہو یا
کہنے کو تیار ہے؟ جب کوئی باوجود اپنے پیغمبروں کی تائید کرانے اور ان پر ایمان لانے
کے بھی ہمارے نبی کو نبی کہنے پر تیار نہیں ہے تو ہم اس کی دوستی پر کس طرح اعتماد کرسکتے
ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک اہل کتاب سب سے زیادہ محسن کش اور احسان
فراموش ہیں۔ رہا مشرکین کا معاملہ تو نہ میں نے ان کے دیوتاؤں کو کبھی پیغمبر
یا اوتار کہا نہ میں ان سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ میرے پیغمبر کو پیغمبر یا نبی
کہیں۔ کیونکہ وہ تو بدنصیب پیغمبر کو جانتے ہی نہیں۔

اہل کتاب اور اقرار ربوبیت

بہرحال میں تو یہ عرض کررہا تھا کہ جو ارواح اس اقرار پر قائم نہیں رہیں
ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کو اپنا رب تو کیا کہیں گی بلکہ اس نسبت کو
بھی برا سمجھتی ہیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا تھا مشرکین کو تو اپنے ارباب سے فرصت
ہی نہیں اہل کتاب کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو اپنا رب کہتے ہوئے
گھبراتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا قول ھل یستطیع ربک
ان ینزل علینا مائدۃ من السماء دیکھئے رب کی نسبت حضرت عیسیٰؑ کی طرف کرکے
کہتے ہیں کیا تیرا رب اس بات پر قادر ہے کہ آسمان سے ہم پر کھانے کا دسترخوان نازل کردے
خیال کیجئے جو لوگ دنیا میں حضرت حق کو اپنا رب کہنے کو تیار نہیں ہیں ان سے کیا
توقع ہوسکتی ہے کہ وہ قبر میں نکیرین کا جواب دے سکیں گے یہی حال حضرت موسیٰؑ کی
امت کا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو باز آجاؤ ورنہ تم پر عذاب نازل ہوجائیگا
تو یہ لوگ موسیٰؑ کا کہنا نہیں مانتے۔ عذاب نازل ہوتا ہے تو کہتے ہیں۔ یموسیٰ ادع لنا
ربک بما عہد عندک[1] اے موسیٰ! اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کردے۔ اگر

[1] اے موسیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو۔

یہ عذاب ٹل جائے تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔

ارض تیہ میں من وسلویٰ کھاتے کھاتے جب جی اکتا جاتا ہے تو کہتے ہیں یموسیٰ لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلہا وقثائہا وفومہا۔ اپنی حاجت اور اپنی ضرورت ہے اس پر یہ حال ہو کہ موسیٰؑ سے کہتے ہیں تو اپنے رب سے دعا کر دے ہم سے تو ایک غذا پر نہیں رہا جاتا۔ دیکھا آپ نے یہ مادیات میں مبتلا ہو کر عالم روحانیات کو فراموش کر دینا اور وہاں کے معاملات کو بھلا دینا۔

بہرحال یوم میثاق کا ایک اقرار تو یہ تھا جو آپ کو معلوم ہو گیا۔ اب لیجیے دوسرا عہدنامہ جو عوام سے نہیں بلکہ خواص سے لیا گیا۔

خواص کا اقرار نامہ

صاحبو! یہ ماضی کی تاریخ بھی عجیب دلچسپ ہے۔ ایک طرف تو اپنی ربوبیت کا اقرار لیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دستخط لئے جا رہے ہیں۔ دونوں اقراروں میں فرق یہ ہے کہ پہلا اقرار عوام سے ہے اور دوسرا خواص سے ہے وہ عہدنامہ بنی نوع انسان سے لیا گیا تھا اور یہ عہد صرف ان ارواح طیبہ اور نفوس قدسیہ سے لیا گیا تھا جو دنیا میں عہد نبوت پر مامور ہو کر آنیوالے تھے۔ اللہ اللہ یہ صبح میثاق بھی کس شان کی صبح تھی۔ ایک طرف رب العالمین کی ربوبیت کا اعلان ہو رہا تھا اور دوسری طرف رحمۃ للعالمین کی رسالت و نبوت اور ان پر ایمان لانے اور ان کی امداد کرنے کا عہد لیا جا رہا تھا۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

اس اقرار نامہ کے الفاظ پہلے سن لیجئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا گیا تھا۔ دیکھئے تلک الرسل کے آخری رکوع کی پہلی آیت۔

لہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اگتا ہے زمین سے، ترکاری اور ککڑی اور گیہوں

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ۔[1]	اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے یہ قرار لیا کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت سے جو کچھ دیا ہے وہ تو دیا ہی ہے، پھر تم میں سے جو شخص اس رسول کا زمانہ پائے جو اس امر کی تصدیق کرتا ہو کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ حق ہے تو تم اس رسول پر ایمان لے آنا اور اس کی اعانت کرنا۔ بولو اس بات کا اقرار کرتے ہو اور مجھ سے عہد کرتے ہو۔ سب نے متفقہ طور سے کہا ہم سب قرار کرتے ہیں ارشاد ہوا کہ اپنے اس اقرار پر گواہ رہنا۔ اور ہم بھی تمہارے ساتھ گواہ ہیں۔

دیکھئے اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسول مصدق لما معھم رکھا ہے اور کتب سماویہ میں حضور کا یہی وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں توریت و انجیل کی تصدیق کرنیوالے ہونگے۔ چنانچہ پہلے پارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَمَّا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ[2]	جب اللہ تعالیٰ نے اس رسول کو بھیجا جو انکی کتابو

[1] اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے دیا تم کو کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں

[2] اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنیوالا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے۔ تو پھینکدیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے۔

اللہ مصدق لما معھم نبذ کی تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب ہی کے ایک
فریق من الذین اوتوا الکتاب گروہ نے اس رسول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آیت میں ہر نبی
سے عہد لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس سے عہد لیا کہ اگر تم محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا۔ انکی امداد کرنا، اور اپنی امتوں سے بھی
اس بات کا عہد لینا کہ وہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور
انکی مدد کرے اس تقدیر پر یہ عہد بلاواسطہ تو انبیاء علیہم السلام سے تھا اور بالواسطہ
ان کی امتوں سے تھا۔

حضرت عمر کا واقعہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
دربار نبوت میں توریت کا ایک ورق پڑھ کر حضور کو
سنا رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ کو توجہ دلائی کہ تم پڑھنے میں
مشغول ہو اور حضور کو غصہ آ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے چہرۂ انور پر غضب کے آثار
دیکھکر جلدی سے فرمایا۔ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و
بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا رسولا حضور نے فرمایا قرآن شریف کی
موجودگی میں تم توریت پڑھتے ہو کیا تم کو خبر نہیں۔ لو کان موسی حیا لما وسعہ
الا اتباعی۔ اگر آج حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو انکو بھی میری اتباع اور پیروی
کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ ممکن ہے کہ آپ حضرات میں سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ عہد تو
اتنی تاکید کیسا تھ لیا گیا، اور آپ کا زمانہ کسی ایک پیغمبر نے
بھی نہیں پایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عہد جس طرح انبیاء سے لیا گیا تھا

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ان کی امتوں سے بھی لیا گیا تھا اور یہود و نصاریٰ نے حضور کا زمانہ پالیا، اور عہد کا منشاء پورا ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ جب آسمان سے نازل ہونگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں گے۔ آپ پر ایمان بھی لائیں گے اور آپ کے دین کی اعانت بھی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری مسلمانوں کے لئے موجب خیر و برکت ہوگی۔ وہ دجال کو قتل کرینگے، زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور ایک زمانہ تک زندہ رہ کر وفات پائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونگے۔ یہ وہ واقعات ہیں کہ کم و بیش تمام مسلمان اس سے واقف ہیں۔

متبعین غلام احمد قادیانی

آج کل ایک فرقہ مرزا غلام احمد کا متبع ہے جو ایک طرف تو حضرت عیسیٰ کی وفات کا قائل ہے اور دوسری طرف ان تمام پیشینگوئیوں کا مصداق جو حضرت عیسیٰ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں مرزا غلام احمد قادیانی کو سمجھتا ہے۔ یہ فرقہ بھی حکومت تسلط کے ملعون دور کی پیدائش ہے اور چونکہ اس کے قیام و بقا کا انحصار حکومت برطانیہ کی وفاداری اور خوشامد پر ہے اس لئے حکومت بھی اس کی سرپرستی کرتی ہے اور اس کے اعزاز میں کوئی کمی نہیں کرتی یہ فرقہ آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو متأثر کر رہا ہے اگرچہ بظاہر اس کے دو حصے ہو گئے ہیں۔ غلام احمد اور حکیم نورالدین کی موت کے بعد غلام احمد کی ذریت دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ ایک حصہ پر غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود کا قبضہ ہے اور دوسرے پر محمد علی لاہوری قابض ہے۔ محمود کی پارٹی تو غلام احمد کو صراحتہً

نبی کہتی ہے اور یہ دعویٰ نہایت بیباکی اور جرأت سے کرتی ہے اسی لئے وہ مرزا غلام احمد کے منکرین کو کافر کہتی ہے۔ انکے جنازے کی نماز پڑھنے کو حرام کہتی ہے۔ اس پارٹی کے نزدیک ہر وہ مسلمان کافر ہے جو مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ رہی لاہوری پارٹی تو وہ مرزا صاحب کو نبی نہیں کہتی بلکہ انکو مجدد مانتی ہے۔ اسکا بیان یہ ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اگر وہ نبوت کا دعویٰ کرتے تو ہم انکو نبی مانتے، گویا انکی نبوت کا انکار اس بنا پر ہے کہ نبوت انکے دعاوی میں شامل نہیں ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنے کو نبی کہتے تو انکو ماننے میں کیا عذر ہو سکتا تھا لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ مرزا صاحب کو ان تمام پیشینگوئیوں کا مصداق مانتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کی تھیں وہ مرزا صاحب کو مجدد کہتے ہیں لیکن عام مجددوں میں شمار نہیں کرتے۔ مرزا صاحب ایسے مجدد نہ تھے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز یا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے بلکہ انکے نزدیک مرزا صاحب ایک خاص مجدد ہیں جو ان پیشینگوئیوں کے ماتحت آئے ہیں جو ابن مریم کے متعلق کی گئی ہیں۔ یہ پارٹی بھی حضرت عیسیٰ کی موت کی قائل ہے اور حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کی منتظر نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے یا ان کی دونوں پارٹیوں کے متعلق مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مرزا صاحب کی مضحکہ خیز ہفوات اتنی مشہور ہو چکی ہیں کہ کوئی سمجھدار اور پڑھا لکھا آدمی ان پر یقین نہیں کر سکتا

مرزا کا کچا چٹھا

مرزا صاحب کا کچا چٹھا جتنا مجھے معلوم ہے شاید ہی اتنا کسی کو معلوم ہوگا کیونکہ مرزا صاحب کی بڑی بیگم ہمارے ہی محلہ کی لڑکی ہے جو خواجہ میر درد کے خاندان سے ہے۔ جب مرزا صاحب کو محمدی بیگم سے عشق ہوا ہے اور وہ اس سے نکاح کرنیکی کوشش میں مصروف ہوئے ہیں

اور ترغیب و ترہیب کا طومار باندھا ہے اور اپنی بہو کو طلاق دلوانے کی دھمکی دی ہے
اور اپنے لڑکے کو عاق کر دینے کا عامیانہ اور جاہلانہ خوف دلایا ہے تو اس وقت
بڑی بیگم بہت پریشان تھیں۔ ایک طرف مرزا صاحب محمدی بیگم کی فکر میں مبتلا
تھے اور دوسری طرف بڑی بیگم نے گنڈے اور تعویذوں کا پل باندھ رکھا تھا۔
بڑی بیگم کے عزیز و اقربا مصری پڑھوا کر دہلی کے حاجی اکبر سے بھیجا کرتے تھے بیسیوں
تعویذ اور مصری کی ڈلیاں دہلی سے جاتی تھیں کہ مرزا صاحب کا دل محمدی بیگم سے پھر جائے
وہاں عرش پر نکاح خوانی ہوئی تھی اور دہلی میں شاہ کلن کی ڈگڈگی والے محلہ میں
حاجی اکبر کے مکان پر وہ نکاح توڑا جاتا تھا۔ بڑی بیگم اپنے میکے میں لکھ لکھ کر
بھیجا کرتی تھیں کہ خدا کے واسطے کوئی علمی یا سفلی ایسا کرو کہ بڈھے کا دل محمدی
بیگم سے ہٹ جائے۔ یہ کمبخت اسکی محبت میں اندھا ہو گیا ہے اور تمام دولت خاک میں
ملائے دیتا ہے۔ آخر بڑی بیگم کا گنڈا تعویذ کامیاب ہو گیا اور مرزا صاحب اس عالم کو
بے نیل مرام گئے۔ چونکہ بڑی بیگم کوچہ چیلاں کی رہنے والی ہیں اس لئے مجھے
اس خاندان نبوت اور خاندان مجددیت کے تمام احوال معلوم ہیں اور خدا کا شکر
ہے جس طرح خاتم المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور
رسالت پر میرا ایمان ہے اسی طرح غلام احمد کے کذب اور دجل اور اس کے گمراہ ہونے
پر میرا یقین ہے اور میں اپنے اذعان و یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر
مرزا غلام احمد اور اس کے متبعین نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اور اسلام
کے مقابلہ میں عیسائیت اور عیسائی حکومت کی خدمت انجام دی ہے اتنی
دشمنی آج تک کسی طبقہ نے منظم شکل میں نہیں کی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اصل
مضمون سے بہت دور چلا جاؤں گا، ورنہ میں نصرت بیگم جو بڑی بیگم کے نام
سے مشہور ہیں، اور ام المومنین کہلاتی ہیں انکے واقعات سے آپ کو مطلع

کرتا ہیں اس امر کی کوشش کر رہا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے اور آسمان سے نازل ہونے کے متعلق تمام احادیث کو ایک جگہ جمع کر دوں تا کہ مسلمانوں کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ قیامت کے قریب جو ابن مریم آسمان سے نازل ہونے والا ہے وہ قادیان کا مرزا غلام احمد نہیں ہے ۔

ناقابلِ تاویل الفاظ میں تو کبھی کبھی ان ملاعنہ سے کہا کرتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کا ذکر کیا ہے اور جو اوصاف ان کے متعلق بیان کئے ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کا پتہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرما دیا ۔ انہ لیس بینی و بینہ نبی وہ عیسیٰ آئیگا جس کے درمیان اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے یعنی وہی ابن مریم کہ اس کے بعد میں ہی نبی آیا ہوں میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا ۔ اسی طرح قرآن نے نہایت صاف الفاظ میں فرما دیا ۔ وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ ۔ یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا ۔ اگر اتنے صاف اور صریح الفاظ بھی تم کو مطمئن نہیں کر سکتے اور تم اس پر مجبور ہو کہ حضرت عیسیٰ کو مردہ کہو اور غلام احمد کو آسمان سے آنیوالا ابن مریم سمجھو تو اب تم ہی بتاؤ کہ خدا تعالیٰ کیا الفاظ بولتا اور قرآن میں کونسے الفاظ بھیجتا جو تم مطمئن ہوتے ۔ اور عام مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ کو زندہ مانتے اور انکو آنیوالا سمجھتے اور مرزا غلام احمد کو مفتری کہتے ۔ ان ملاعنہ سے دریافت کرو کہ تم وہ الفاظ بتاؤ جو ناقابل تاویل ہوں غضب خدا کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں ، میں آخری نبی ہوں ، میں خاتم المرسلین ہوں ، میرے بعد کوئی نبی نہیں ، دیکھو میرے بعد تیس آدمی کذاب اور دجال یکے بعد دیگرے آئیں گے ہر ایک ان میں سے اپنے کو نبی کہے گا لیکن تم یاد رکھو میں آخری نبی ہوں

وہ سب جھوٹے ہوں گے ان کا یقین نہ کرنا۔ میرے بعد کوئی نبی آنیوالا نہیں
اس صراحت کے بعد بھی یہ غلام احمد کو نبی کہتے ہیں اور جرأت و دلیری کے ساتھ
کہتے ہیں میں ان مردود و ملاعنہ سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا
فرماتے اور کن الفاظ میں اپنے آخری نبی ہونیکا اعلان کرتے جو تم مطمئن ہو جاتے
اور کسی نبی کہنے والے کو جھوٹا اور کاذب سمجھتے وہ ناقابل تاویل الفاظ تم ہی بناؤ
کہ جن کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو جاتا ان ظالموں نے نبوت کا دروازہ
کھول کر اسلام کا امان غارت کر دیا۔ مسلمان اس خطرے سے مطمئن تھے کہ خدا
دو نہیں ہو سکتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہیں آسکتا لیکن ان
ظالموں نے ختم نبوت کا دروازہ ڈھا کر دین کی تباہی کا ایسا خوفناک اقدام کیا ہے
کہ جس کی تلافی نا ممکن ہے سیاسی اعتبار سے تو ان ملاعنہ کا وجود ہندوستان
میں جس قدر مضر ہے اس کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ مذہبی اعتبار سے بھی ان
موذیوں نے اسلامی عقائد کو جو نقصان پہنچایا ہے شاید اس کی تلافی
حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری کے بعد ہی ہو تو ہو۔

پنجاب کا نوری فرقہ اسی طرح پنجاب میں ایک فرقہ نوری بھی ہے جو
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بشر
اور آدمیت سے خارج سمجھتا ہے۔ اسکے بانی پنجاب کے جاہل پیر ہیں۔
ان پیروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے سے انکار کر دیا
ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضور کو جو بشر کہے وہ کافر ہے۔ حالانکہ تھوڑا سا پڑھا لکھا
شخص بھی جانتا ہے کہ یہ اعتراض تو کفار کا ہے وہ بشریت اور نبوت میں
منافاۃ سمجھتے تھے اسی لئے کہا کرتے تھے کہ تم بشر ہو اور بشر نبی نہیں ہو سکتا
اور یہ اعتراض صرف کفار مکہ ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام کفار کی تقریباً ایک ہی جیسے

مہی کی قوم نے اسی قسم کے لغو اعتراض کئے ہیں۔ سورۂ ابراہیم میں کفار کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ما انتم الا بشر مثلنا تم تو ہم جیسے بشر ہو حضرت نوح کی قوم نے کہا تھا۔ ما نراک الا بشرا مثلنا ہم تجھ کو اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں یہ تو کفار کا عقیدہ ہے کہ وہ بشریت اور آدمیت کو نبوت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کہاں کفار کا عقیدہ اور کہاں پنجاب کے پیر۔ یہ بھی کہتے ہیں بھلا نبی کہیں بشر ہو سکتا ہے نبی کو جو بشر کہے وہ کافر۔ اور سنا ہے بعض تو کافر کی بجائے حرامزادہ کہتے ہیں یعنی جو نبی کو بشر کہے وہ حرامزادہ ہے۔ دیکھا آپ نے اس جہالت کا نتیجہ یہ اس صوبہ کا حال ہے جہاں چھپن ۵۶ فیصدی مسلمان آباد ہیں جس صوبہ میں سب سے زیادہ مسلمان تعلیم یافتہ ہیں اور جو صوبہ ہندوستان کے مسلمانوں کا محافظ اور پشتیبان ہے۔ صوبۂ سندھ جہاں پچھتر ۷۵ فیصدی مسلمان ہیں اسکی حالت پنجاب سے زیادہ بدتر ہے۔ کفار کہا کرتے تھے تم بشر ہو بشر بھی کہیں نبی ہو سکتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جواب میں کہا کرتے تھے۔

ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللّٰہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔
ہم کب انکار کرتے ہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں بلی بیشک ہم بشر ہیں لیکن اللّٰہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کر دے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ میں کب نبی آپکو فرشتہ کہتا ہوں میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میں بشر ہوں مگر اللّٰہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ بشریت اور نبوۃ میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ خود سید المرسلین صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اپنے معترضین کو بھی یہی جواب دیا۔

لہ ہم تو ایسے آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللّٰہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے

انما انا بشر مثلکم[1] — میں بیشک تمہاری مثل بشر ہوں مگر مجھ پر اللہ کی
یوحیٰ الی انما الٰھکم — کی جانب سے اس امر کی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود
الٰہ واحد۔ — صرف ایک ہی معبود ہے۔

تمام نبی اپنی بشریت کا اقرار کریں۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بشر ہونے کا اعلان کریں مگر یہ جاہل کہیں جو حضور کو بشر کہے معاذ اللہ وہ کافر۔ ان بدنصیبوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے موجبہ کلیہ کا اثر کیا ہوگا یعنی من قال ان نبیا بشر فھو کافر۔ اب ان سے دریافت کیجئے۔ و ان قال النبی انا بشر۔ اب فرمائیے یہ نبی بھی اس مَن میں داخل ہے یا نہیں اب متعلق شکل بنا کر نتیجہ نکال لیجئے اور پھر ان جاہل پیروں کی قسمت پر ماتم کیجئے یعنی قال النبی انا بشر۔ صلی اللہ کل من قال ان نبیا بشر فھو کافر۔ اب فرمائیے نتیجہ کیا نکلا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

جہالت بُری چیز ہے صاحبو! میں تو جاہل میلاد خوانوں کا ہی ماتم کر رہا تھا لیکن یہ پنجاب کے جاہل پیر تو ان سے بھی دس قدم آگے نکلے۔ یہ جاہل میلاد خواں جس طرح سرکار کی ولادت کا بیان کرتے ہیں اس سے سرکار کی کھلی ہوئی توہین ہوتی ہے۔ واقعہ کتنا ہی صحیح ہو لیکن بیان کرنے والے کا طرز ادا صحیح نہ ہو تو وہ واقعہ کو نہایت بھونڈے طریقہ سے بیان کریگا۔ لیکن اگر بیان کرنے والا عالم ہو اور واقعہ کو سلجھا کر بیان کرے تو واقعہ کتنا ہی شرم کا کیوں نہ ہو وہ اسکو خوبی سے ادا کر دیگا۔ کیا قرآن و حدیث میں ایسے نازک مسئلوں کا ذکر نہیں ہے جو انتہائی شرم کے ہیں۔ لیکن قرآن کے طرز ادا کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے شرمیلے واقعات کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ ذرا اعتراض کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مثلاً عورت اور مرد کا تعلق ہر شخص جانتا ہے کہ یہ تعلق حیا اور شرم کا ہے

---

[1] میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو معبود تمہارا ایک معبود ہے۔

عام مجامع اس کا تحمل نہیں کر سکتے مگر قرآن کو دیکھئے فرماتے ہیں :۔

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم انکے لباس ہو

دیکھا آپ نے کیسے نازک تعلق کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ پھر لباس کے لفظ میں جو بھی رعائتیں رکھی ہیں وہ اس طرز ادا سے علیحدہ ہیں اسی طرح عورتوں کے پاس جانے اور اُن سے مباشرت کی ہیأت کا سوال ہے دیکھئے مسئلہ کیسا نازک لیکن انداز بیان ملاحظہ ہو:۔

نساؤکم حرث لکم فاتوا عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتی میں پیداوار حرثکم انی شئتم۔ کی رعایت رکھتے ہوئے جس طرح چاہو تخم ریزی کیا کرو

پیداوار کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ اس کی رعایت ہر طریقہ میں ضروری ہے ورنہ کھیتی کا مقصد فوت ہو جائیگا۔ فرمایئے اتنے بڑے شرمیلے مسئلے میں طرز بیان نے جان ڈالدی بلکہ چار چاند لگا دیئے۔

رفاعہ کی بیوی کا قصہ حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو مغلظہ طلاق دیدی تھی۔ اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ اتفاق سے اس دوسرے خاوند میں ایک ایسا عیب نکلا جو اس عورت کے لئے ناقابل برداشت تھا یعنی وہ عورت کے قابل نہ تھا۔ اب یہ عورت دربار رسالت میں حاضر ہوئی۔ اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ یا رسول اللہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی اب اس نے طلاق دیدی۔ میں نے فلاں شخص سے نکاح کر لیا مگر یا رسول اللہ! اب دیکھئے ایک عورت کا کمال۔ اس نے اپنی چادر کا ایک کونہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہلانا شروع کیا اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ ایک عام مجمع میں یہ کہنا کہ میرا دوسرا خاوند نامرد ہے ایک عورت کیلئے کس قدر مشکل

لہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو ۱۲

تھا۔ لیکن اس نے چادر کے کونے کو دونوں ہاتھوں سے ہلا کر اپنے مطلب کی طرف اشارہ کر دیا۔ سرکار نے فرمایا کیا تو پہلے خاوند کی طرف لوٹنا چاہتی ہے، اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ رفاعہ سے میرا نکاح کرا دیجئے۔

حلالہ کا حکم اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک وہ تجھ سے وطی اور مباشرت نہ کر لے تو پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حلالہ میں دوسرے خاوند کا وطی کرنا ضروری ہے دوسرا خاوند وطی کرے پھر طلاق دے اور عورت طلاق کی عدت گزارے جب پہلے خاوند کیلئے حلال ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حلالہ کرنے یا کرانے کا حکم کیا ہے وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ۔ — اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت کرے۔

اگرچہ حلالہ خود مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر حلالہ کرا لیا جائے تو پہلے خاوند سے نکاح جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ حلالہ کے لئے زوج ثانی کی وطی شرط ہے اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو مسئلہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک دوسرا خاوند تجھ سے وطی نہ کرے تو اپنے پہلے خاوند رفاعہ کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ مگر طرز ادا ملاحظہ فرمایئے سرکار فرماتے ہیں:۔

لا حتیٰ تذوقی عُسَیْلَتَہ ویذوق عُسَیْلَتَکِ۔ — تو رفاعہ کی طرف نہیں لوٹ سکتی جب تک تو اسکی تھوڑی سی مٹھاس نہ چکھ لے اور وہ تیری تھوڑی سی مٹھاس نہ چکھ لے۔

دیکھا آپ نے؛ قربان جایئے کتنا بہتر طرز بیان ہے۔ پھر عسل کی تصغیر فرما کر ایک اور اشارہ کیا جس کو اہل علم سمجھتے ہیں۔ بہرحال گر طرز ادا بہتر ہو اور کوئی شخص

سلجھا کر بیان کرنیوالا ہو تو ولادت کے ذکر میں مضائقہ نہیں لیکن اگر میلاد خواں جاہل ہو تو اس قسم کے نازک اور شرعی مسئلہ کو بیان کرنے کی اجازت نہ دی جائے آخر دین میں ہر قسم کے مسئلے اور ہر قسم کے واقعات ہیں لیکن ایک جاہل اور عالم میں بڑا فرق ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو ان جاہل میلاد خوانوں اور جاہل پیروں سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے۔

جاہل پیروں سے سوال

میں ان پنجاب کے پیروں سے بھی یہی دریافت کیا کرتا ہوں کہ بشریت کے اس صاف وصریح اعلان کے بعد جو قرآن میں مذکور ہے اگر جناب مطمئن نہیں ہیں اور بشر کہنے والو کو کافر بتلاتے ہیں تو اب آپ ہی فرمایئے کہ قرآن کون سے الفاظ استعمال کرتا جو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر سمجھتے۔ آجی اسوقت جو الفاظ قرآن میں موجود ہیں انما انا بشر متکلم اور ان نحن الا بشر متکلم الفاظ سے تو جناب مطمئن نہیں ہیں اور ان الفاظ کی موجودگی میں آپ سرکار کو جو بشر کہے اسکو کافر اور حرامزادہ کہتے ہیں۔ اب آپ تجویز کیجئے کہ حضرت حق جل مجدہٗ کیا فرماتے اور کن الفاظ میں حضور کو بشر کہتے جو آپ کے لئے موجب اطمینان ہوتے۔

صاحبو! بات یہ ہے کہ ان فرق باطلہ کا بس نہیں چلتا کہ یہ ظالم قرآن شریف میں تحریف کر لیں یہ ظالم سانپ کی طرح بل کھاتے ہیں اور اپنا سر پیخ کر رہ جاتے ہیں انکو قرآن اور حدیث میں کوئی گنجائش نہیں ملتی کہ یہ اپنا مطلب پورا کر سکیں یہ ظالم پہلے ایک عقیدہ اور خیال گھڑتے ہیں۔ ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ پھر خدا کی وحی کو کھینچ تان کر اس باطل عقیدہ کے مطابق کرنا چاہتے ہیں یہ اپنے عقائد کو قرآن وسنت کے موافق نہیں کرتے بلکہ قرآن وسنت کو اپنے عقائد کے موافق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو یہ خبثا ایسی رکیک تاویلیں کرتے

ہیں کہ خدا کی قسم تحریف بھی اس تاویل سے شرماتی ہے۔ یہی حال تو قادیانی ملاعنہ کا ہے اور یہی حال ان جاہل پیروں کا ہے یہ ڈاکو اور لٹیرے مسلمانوں کا مال ہی نہیں لوٹتے بلکہ ان کے ایمان کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں۔

مستقبل کی تاریخ بہرحال گفتگو تو اس میں ہو رہی تھی کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس حق ہے یقین ہے، اذعان ہے مشاہدہ ہے اور تمہارے یورپ کے پاس ظن ہے اٹکل ہے، تخمین ہے۔ قیاس ہے۔ تم ظن کا مقابلہ حق سے کرتے ہو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان رائے نہیں ہے جو رائے کا مقابلہ رائے سے کرتے ہو۔ وہ تو مشاہدہ ہے۔ تم کلینٹ اور نیوٹن کے قیاسات فاسدہ کے موافق قرآن کو بنانا چاہتے ہو اور اس پر خوش ہوتے ہو۔ حالانکہ انصاف یہ چاہتا تھا کہ قرآن جو وحی الٰہی ہے اسکو اصل قرار دیتے اور جو رائے قرآن کے خلاف ہوتی اسکو ٹھکرا دیتے۔ تم بدلنے والے قیاسات اور تبدیل ہوجانیوالی تصوریوں کے ایسے معتقد ہو کر ان قیاسات فاسدہ پر خدا کی غیر مبدل وحی کو منطبق کرتے ہو۔ فرض کرو آج اسلام کا کوئی مسئلہ جرمنی کے ایک ڈاکٹر کی رائے سے مطابق ہوگیا۔ تم نے اسکو مزے لیکر بیان کرنا شروع کیا۔ دیکھئے صاحب جرمنی کا ڈاکٹر وہی کہہ رہا ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے کہا تھا لیکن میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کل اس ڈاکٹر کی رائے بدل گئی جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ فلکیات کے متعلق یورپ کے فلاسفہ کی رائے بدل رہی ہے۔ مریخ کی نہروں کے متعلق میں ابھی عرض کر چکا ہوں ڈاکٹروں کے نئے نئے تجربے آپکو ہمیشہ معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ایک تجربہ دوسرے تجربہ کے منافی اور مخالف ہوتا ہے تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا جناب بھی انکے ساتھ ساتھ اسلام کے مسئلہ کو بدلیں گے؟ آخر یہ کیا نصیبت ہے کہ مشاہدہ کو رائے کے مطابق اور ظن کو حق کے مطابق کیا جائے۔ اسی سلسلہ میں

میں نے یورپ کی تاریخ کا بھی ذکر کیا تھا اور آپ کو بتایا تھا کہ یورپ کی تاریخ اول تو وہی قیاسات پر مبنی ہے دوسرے وہ تاریخ محض اس لئے بنائی گئی ہے کہ مختلف قوموں میں نفاق کی خلیج وسیع تر ہو جائے اور یورپ کی استعماری طاقتوں کو ایشیا پر خوب حکومت کرنے کا موقع ملے اور بڑی غرض تو یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کا کہیں دوبارہ اقتدار قائم نہ ہو جائے۔ ان جھوٹے تاریخ بنانیوالوں کا منشا یہ ہے کہ اس تاریخ سے پروپیگنڈے کا کام لیا جائے۔

ہندستان کی حالت آخر ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ ان ہی کتابوں کا اثر نہیں ہے جو ہندستان کی تاریخ یا مغلوں کی تاریخ کے نام سے لکھی گئی ہیں۔ یورپین اقوام نے جو تاریخ مرتب کی ہے وہ اپنی اغراض مشئومہ کے ماتحت مرتب کی ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ حقائق و واقعات پر مبنی ہے وہ کذب و افترا سے مبرا ہے۔ میں نے ابھی آپکو چند واقعات ماضی کے بتائے۔ اب اگر آپ فرمائیں جو چند واقعات مستقبل کے بھی بتاؤں؟ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے واقعات جس طرح ماضی کو شامل ہیں اسی طرح مستقبل کو بھی محیط ہیں۔

قبروں سے اٹھنا لیجئے پہلی بات! قبروں سے جب آپ دوبارہ زندہ ہونگے اور نفخہ ثانیہ کے بعد قبروں سے نکلیں گے تو آپکو معلوم ہے کیا کہتے اٹھیں گے؟ یویلنا من بعثنا من مرقدنا قیامت میں برزخ کی زندگی کو نیند سے تعبیر کرینگے اور کہیں گے ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگا دیا۔ برزخ کی زندگی دنیا کی زندگی سے مختلف اور جدا ہے۔ قیامت کی زندگی دنیا کی زندگی سے مختلف اور جدا ہے۔ قیامت کی زندگی برزخ کی زندگی سے علیحدہ ہے۔ تم اس دنیا کی زندگی کو زندگی سمجھتے ہو اور میں عرض کیا کرتا ہوں کہ زندگی تو

اب شروع ہونے والی ہے یہ تو خواب ہے جس دن آنکھیں بند ہو جائیں گی اس دن حقیقت میں آنکھیں کھلیں گی جس طرح تم کبھی خواب سے بیدار ہو کر خواب کی باتوں کو یاد کیا کرتے ہو، اور بعض دفعہ تو خواب کی چیزوں پر اتنا یقین ہوتا ہے کہ بیداری میں بھی ایسا خیال کرتے ہو گویا وہ چیز یہیں رکھی ہے۔

بنئے کا قصہ ایک بنئے کا قصہ مشہور ہے کمبخت خواب میں دیکھ رہا تھا کسی مقروض سے سود پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ یہ دو روپے مانگ رہا تھا وہ ایک روپیہ دے رہا تھا، اسی بحثا بحثی میں بنئے کی آنکھ کھل گئی تو جلدی سے آنکھیں بند کر کے کہنے لگا اچھا بھائی لاؤ ایک ہی روپیہ دیدو۔ یہی حالت جناب موت کے بعد ہونیوالی ہے۔ آپ ایک ایک چیز کو یاد کریں گے۔ ٹٹولیں گے اپنے بچوں اور بیوی کو پکاریں گے فرشتے آپ سے کہیں گے ہوشیار سو یہ دنیا نہیں ہے یہ عالم برزخ ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں بھول جا جس طرح عالم برزخ میں دنیا خواب تھی۔ اسی طرح قیامت میں عالم برزخ ایک خواب ہے، ایمان والوں کیلئے تو عالم برزخ واقعی خواب ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکیرین کے سوال کا جواب دینے کے بعد اس سے کہا جاتا ہے نم کنومۃ العروس اس طرح آرام سے سو جا جس طرح دلہن یا دولہا سو جایا کرتے ہیں سبحان اللہ کیا پیاری تشبیہ ہے۔ نکاح بھی انسانی زندگی کا ایک بنیاد ہوتا ہے، اسی طرح قبر بھی ہماری زندگی کا بنیاد ہے، اور جس طرح نکاح بھی اسلئے کیا جاتا ہے کہ انسان سکھ کے ساتھ رہے اور تجرد کے دکھوں سے چھٹکارا حاصل کرلے اسی طرح قبر کی زندگی بھی انسانی سکھ اور آرام کیلئے مقرر کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی جو دار العمل ہے اس سے نجات مل جائے اسی واسطے عالم برزخ کو درمیانی عالم کہتے ہیں جہاں اس عالم سے اٹھتے وقت یہ کہنا کہ من بعثنا من مرقدنا بالکل صحیح ہے لیکن

کفار کا یہ کہنا کہ ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے جگا دیا محض اس بنا پر ہے کہ قیامت کا ہول اور عذاب قیامت کی پریشانیوں کو دیکھ کر وہ قبر کے عذاب کو بھول جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں تو قبر کا عذاب کچھ بھی نہیں تھا۔ گویا محشر کے مقابلہ میں قبر ایک خوابگاہ تھی۔

مسلمانوں سے حضرت حق کا پہلا خطاب

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ قیامت میں سب سے پہلی بات آپ سے کیا کہیں گے؟ ارشاد ہوگا۔ تم میری ملاقات کو دوست رکھتے تھے، اور کیا تم کو میری ملاقات کا شوق تھا؟ مسلمان بندے عرض کریں گے الٰہی ہم تیری ملاقات کے مشتاق تھے۔ ایک مسلمان کا اس سے بڑھ کر مقصد زندگی اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات اور اس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان موت سے نہیں گھبراتا اور کافر موت سے گھبراتا ہے۔ کافر کمبخت کے سامنے تو دنیا ہی کی زندگی ہے اسلئے وہ جینے پر بڑا حریص ہے اسکو مرنا بہت ہی ناگوار ہوتا ہے اور زندگی کی حرص میں اہل کتاب اور مشرکین کا سنگھٹن ہے جس طرح مشرک کا جی مرنے کو نہیں چاہتا اسی طرح اہل کتاب بھی مرنے سے بہت گھبراتے ہیں اور وجہ وہی ہے کہ دونوں تاریکی میں ہیں حضرت حق نے انکی ذہنیت کا ذکر کیسے مزے دار الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان سے بہتر کون انسان کے کیریکٹر کی کمزوری سے واقف ہو سکتا ہے کیونکہ وہی خالق ہیں اسلئے وہ خوب جانتے ہیں۔ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ[1] وہ تو قلب انسانی کے وسواس سے بھی آگاہ ہیں وہ مسلمان کے اطمینان کو بھی جانتے ہیں اور کفار کی بے اطمینانی سے بھی

[1] اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں۔

واقف ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ولتجدنهم احرص الناس على حيوة ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة وما هو بمزحزحه من العذاب ان يعمر۔ یہود کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اب تو آپ یہود سے بھی واقف ہو گئے ہونگے فلسطین میں مسلمانوں کیساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ یہود کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور لطیفہ یہ ہے کہ وہاں آپکی سرکار اقلیت کی طرفدار ہے۔ یہاں سو برس تک اکثریت کی سرپرستی کی گئی وہاں اقلیت کی حمایت میں فلسطین کے عربوں کو کچلا جا رہا ہے۔ یہاں اقلیت کی زمینداریاں قرق کرا کے اکثریت کے حوالے کر دی گئیں اور وہاں اقلیت کو اکثریت کی زمینیں دلوائی جا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی اکثریت مسلمان ہے، اور ہندوستان کی اقلیت مسلمان ہے۔ بہرحال آیت میں یہود کا ذکر ہے انہی کے ساتھ مشرکین کو ملایا ہے اور فرماتے ہیں اے ہمارے رسول! آپ اہل کتاب اور مشرکین کو زندگی پر بڑا حریص پائیں گے۔ ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ اسکی عمر ہزار برس کی ہو جائے۔ فرماتے ہیں اگر کوئی کافر ہزار برس بھی جیتا رہے تو خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ بڑی عمر عذاب الٰہی سے تو نہیں بچا سکتی۔

موت ایک معیار ہے

حضرات! بات تو یہ ہے کہ موت ایک کسوٹی ہے جہاں کفر و اسلام کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کافر موت کے نام سے ٹھٹھک جاتا ہے اور مسلمان موت کا نام سن کر اس کی طرف بڑھتا اور لپکتا ہے۔ یورپ تو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا ہی دنیا ہے اور مرنے کے بعد کچھ

لے اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پا وے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا ۱۲

بھی نہیں۔ یہاں سے گئے تو گئے۔ اسی لئے تو حضرت حق نے فرمایا۔ فتمنوا الموت ان کنتم صدقین۔ اگر تم اپنے دعاوی میں سچے ہو اور اپنے کو حق پر سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیہم فرماتے ہیں یہ کمبخت کبھی موت کی تمنا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انکے دل میں چور ہے اور یہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کا کیا حشر ہونیوالا ہے۔ ان کفار کے مقابلہ میں ایک وہ گروہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس گروہ کو موت اتنی ہی عزیز ہے جتنی کفار کو زندگی، بیدل نے کیا خوب کہا ہے ؎

زندگی در گردنم افتادہ بیدل چارہ نیست شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

زندگی در گردنم افتادہ کو ملاحظہ کیجئے۔ زندگی کیا ہے ایک وبال ہے لوگ جس موت کہتے ہیں مسلمان کے نزدیک وہ لقائے الٰہی ہے چنانچہ سورۂ عنکبوت میں فرماتے ہیں:۔

من کان یرجو لقاء اللہ[1] جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو اسکو
فان اجل اللہ لآت معلوم ہونا چاہئے کہ اس ملاقات کا زمانہ قریب ہے۔

سورۂ کہف کے آخر میں ہے:۔

من کان یرجو لقاء ربہ[2] جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا متوقع ہے تو
فلیعمل عملا صالحا۔ اس کو نیک عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے ابھی عرض کیا تھا چونکہ مرنے کے بعد جو کچھ ہونیوالا ہے اسکو مسلمان جانتا ہے۔ اسلئے اسے موت سے گھبراہٹ نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے

---

[1] جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے۔
[2] تو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک۔

کہ وہ اس دنیا کو اپنا گھر اور اپنے رہنے کی جگہ نہیں سمجھتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل — دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح کوئی راہ چلتا ہوا مسافر ہوتا ہے۔

دنیا کے متعلق فرماتے ہیں الدنیا سجن المؤمن وجنت الکافر مومن کے نزدیک چونکہ دنیا ایک قید خانہ کی حیثیت رکھتی ہے اسلئے مسلمان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دنیا کے سب کام کرتا ہے لیکن اس کا دل آخرت سے وابستہ رہتا ہے۔ وہ کافر کی طرح موت سے گھبراتا نہیں۔

مسلمانوں کی موت یا لوری

عزیزانِ ملت! مسلمان کی موت کیا ہے؟ ایک خوشگوار نیند ہے جو تھپکیاں دے دیکر لائی جاتی ہے۔ تم نے کبھی ماں کو دیکھا ہے بچہ کو کس طرح سلاتی ہے۔ آج کل کی تو ان فیشن ایبل لڑکیوں کی خبر نہیں یہ تو اولاد سے ہی گھبراتی ہیں تو بچوں کو سلانے میں کیا محنت کریں گی۔ پرانے زمانے کی عورتیں بچوں کو لوری دیکر سلایا کرتی تھیں بچہ کا سر سہلا رہی ہیں۔ لوری دے رہی ہیں۔ وہ لوری بھی تکبندی ہوا کرتی تھی۔ مثلاً:۔

آجاری نندیا تو آ کیوں نہ جا — میرے بچے کی آنکھوں میں گھل مل جا
آتی ہوں بیوی میں آتی ہوں — دو چار بالے سُلاتی ہوں

جہاں ماں نے بچے کے سر پہ ہاتھ پھیرا بچے نے ایک جمائی لی اور اس کی آنکھیں بند ہوئیں۔ آپ جانتے ہیں ماں کے ہاتھ کی ٹھنڈک، ماں جب سر پر ہاتھ رکھتی ہے تو بچہ کے پاؤں کا تلوا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ ہمارے نوجوان والدین کو ایک بیکار رشتے سمجھتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں ماں باپ اگر زندہ ہوں تو غنیمت

جانو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ یعنی ماں کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت بھی جنت میں لیجانے کا موجب ہے۔ ۴ ایک صاحب کا قصہ مشہور ہے باپ کو لکڑی لیکر مارنے لگے، لوگوں نے کہا کمبخت یہ تیرے قبلہ ہیں، کعبہ ہیں ان کو لکڑی سے مار رہا ہے۔ صاحبزادے بولے قبلہ ٹیڑھا ہو جائے تو کیا اسے سیدھا نہ کروں۔ ایک صاحب اپنی والدہ کو مارا کرتے تھے جب ماں کو مارتے تھے تو وہ کہتی تھی ارے بس کر ارے بیٹا بس کر ارے میں مرگئی۔ ۵ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

زنان باردار اے مرد ہشیار　　　اگر وقت ولادت مار زایند
ازاں بہتر بہ نزدیک خرد مند　　　کہ فرزندان ناہموار زایند

اگر آپ میں سے کسی کی والدہ زندہ ہوں تو آج ماں کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر تجربہ کرلیں کہ ماں کے ہاتھ میں کتنی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ بہرحال جب ماں لوری دیکر سلاتی ہے تو بچہ ایسا سوتا ہے کہ صبح تک اسکی آنکھ نہیں کھلتی۔ صبح کو ماں آنکھ جگاتی ہے کہ اٹھ بیٹا صبح ہوگئی منھ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرلے۔ رات بھر بچہ آرام سے سوتا ہے۔ یہ آجکل کی لڑکیاں جو اولاد سے گھبراتی ہیں۔ ان سے محنت نہیں ہوتی بلکہ یہ بچہ کو ڈرا کر اور دھمکا کر سلاتی ہیں۔ دیکھ وہ کتا آیا، وہ بلی آئی، بکری آئی، بچہ بیچارا سہم کر سوجاتا ہے اور رات بھر ڈرتا رہتا ہے، صبح کو یہ کسی گنڈے تعویذ والے کو تلاش کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں میرے بچہ کو آسیب کی نظر ہوگئی ہے۔ کیونکہ رات بھر ڈرا ہے۔

برتھ کنٹرول جن عورتوں سے بچے نہیں پلتے وہ برتھ کنٹرول کی فکر میں رہتی ہیں حالانکہ مسلمانوں کی مردم شماری پہلے ہی کم ہے مسلمان عورتوں میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے بچے زیادہ مرتے ہیں ایک طرف

افلاس دوسری طرف جہالت، ابھی بچے سمجھا رہی ہیں سنگھاڑے والا آیا سنگھاڑے لیکر کھانے لگیں کبھی بیر کھالئے۔ غرض جو سامنے آیا کھانے سے مطلب اس بے احتیاطی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام طور سے بچوں کو اُلٹی ہوجاتی ہے اور اکثر بچے کرنئے کے خلل میں مرجاتے ہیں۔ گنڈے تعویذ والے جو ہاتھ رنگتے ہیں اسکا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔

موت کے وقت کی لوری صاحبو! جس طرح ماں لوری دیکر اور تھپک کر اپنے بچہ کو نیند کے وقت سلاتی ہے اسی طرح حضرت حق اپنے ایماندار اور مخلص بندے کو موت کے وقت لوری دیا کرتے ہیں اللہ یتوفی الانفس حین موتہا اپنے مخصوص بندے کی روح کو اس طرح قبض کرتے ہیں کہ اسکو لوری کی لذت میں پتہ ہی نہیں لگتا۔ ماں کی لوری تو وہی آجا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا ہوتی ہے۔ مگر حضرت حق کی لوری کا مضمون عجیب دلکش ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی	اے مطمئن انسان اپنے رب کی طرف لوٹ
الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی	کر چل، تو اس سے راضی ہے اور وہ
فی عبادی وادخلی جنتی۔	تجھ سے خوش ہے۔

ذرا ارجعی کو ملاحظہ کیجئے۔ لوٹ چلنا اور لوٹنا اور لوٹ جانا اردو میں بھی تو بولتے ہیں جہاں سے آئے تھے وہاں جانے کو لوٹنا کہتے ہیں ایک شخص صبح کی گاڑی سے شکوہ آباد جائے تو آپ پوچھتے ہیں کب تک لوٹنے کا ارادہ ہے وہ کہتا ہے شام کی گاڑی سے لوٹ آؤنگا، یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ جو مرنے

لہ دہلی کی عورتیں اس مرض کو جس میں بچہ کی پسلی چلتی ہے کرنہ کا خلل کہا کرتی ہیں ۱۲

لہ اے وہ جس نے چین پکڑ لیا پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل میری بہشت میں۔

کی خبر پڑھا کرتے ہو۔ انا للہ و انا الیہ راجعون یہ لفظ راجعون بتاتا ہے کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں بلکہ عالم قدس اور چمنستان قرب کے رہنے والے ہیں جب مرتے ہیں تو جہاں سے آئے تھے وہیں چلتے جاتے ہیں اور چونکہ اپنے وطن جانے کا ہر شخص کو شوق ہوتا ہے اسلئے ہم بھی موت کی راہ تکتے رہتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں ان الی ربک الرجعی[1] بیسواں پارہ سورۂ علق اور اسی مضمون کو صحائف ابراہیمی کے حوالے سے سورۂ نجم میں فرماتے ہیں[2] و ان الی ربک المنتھی بنی نوع انسان کا منتہیٰ اور مرجع حضرت حق کی ذات اقدس ہے اور وہی حقیقت میں ہم سب کا وطن ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حضرت حق کو رب کہنے والے اس سفر میں کامیاب ہیں اور حضرت حق کی ربوبیت کے منکر اور دنیا ہی کو وطن حقیقی سمجھنے والے ناکام ہیں۔

ھل ننبئکم[3] بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔	ان بدنصیبوں سے بڑھ کر اور کون محروم القسمت ہوگا جو دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی سمجھتے ہیں اور تمام کام دنیا کی زندگی کیلئے ہی کرتے رہتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہترین کام کر رہے ہیں۔

صاحبو! وطن اصلی تو وہ ہے کافر اس وطن حب الوطن من الایمان کو سمجھ ہی نہیں سکتا یہ تو انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ جو حقیقت شناس و معرفت آگاہ ہیں وہی بتا سکتے ہیں کہ وطن کیا ہے اور سفر کیا ہے۔ حضرت عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎

---

[1] بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ [2] اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے۔ [3] ہم بتادیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا اکارت وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام۔

معنی حب الوطن آمد درست ... تو وطن بشناس ای خواجہ نخست

تم پہلے وطن تو سمجھ لو۔ افسوس یہ ہے کہ کافروں کی دیکھا دیکھی ہم بھی اس دنیا کو وطن سمجھ بیٹھے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ کے جذبات سنئے:۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بر دم

منزل ویراں سمجھے یہ آپ کی دنیا باوجود ان تمام خوبیوں کے اہل اللہ کے نزدیک منزل ویران ہے۔ جب ہی تو حضرت جامی نے فرمایا تھا۔ ع

چو دونان چند ازیں ویرانہ گشتی

حضرت حافظ فرماتے ہیں:۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم ... راحت از جاں طلبم واز پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ... تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

اور سنئے حضرت مولانا رومی فراق کی داستان کس قدر دردناک طریقے سے بیان کرتے ہیں:۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند ... از نفیرم مرد و زن نالیدہ ام
سینہ خواہم شرح شرح از فراق ... تا بگویم شرح درد اشتیاق
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش ... باز جوید روزگار وصل خویش
سرِ من از نالۂ من دور نیست ... لیک چشم و گوش را آں نور نیست

ایک موقع پر مولانا نے لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کے معنی بیان کرتے ہوئے وطنیت کی مزید تشریح فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

چوں مرا سوئے اجل عشق و ہواست ... نہی لا تلقوا بایدیکم مرا ست
دانۂ مردن مرا شیریں شد است ... بل ہم احیاء پئے من آمد است
اقتلونی یا ثقاتی لائما ... ان فی قتلی حیاۃ دائما

ان فی موتی حیوتی یا ثقتی — کم افارق موطنی حتی متی

فرقتی لو لم تکن دار السکون — لم یقل انا الیہ راجعون

راجع آں باشد کہ باز آید بہ شہر — سوئے وحدت آید از تفریق دہر

عالم روحانیات و مجردات کو اپنا وطن فرماتے ہیں اور کس زور سے تمنا ارشاد ہوتا ہے:

اے مسافر با صفا بر پائے زن — زانکہ پایت لنگ دارد رائے زن

پہلے مصرعہ کا رائے زن اور ہے اور دوسرے کا رائے زن اور ہے پھر فرماتے ہیں:

از دم حب الوطن بگذر مایست — کہ وطن آں سوست جاں ایں سو نیست

گر وطن خواہی گذر زاں سوئے شط — ایں حدیث راست را کم خواں غلط

معنی حب الوطن آمد درست — تو وطن بشناس اے خواجہ نخست

شوق وطن اور مقام اصلی کی محبت میں مرنے کا اشتیاق اور موت کی تمنا کرتے ہوئے معترض کو جھاڑ بتاتے ہیں اور اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہیں:

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من — تشنہ زارم بخونِ خویشتن

اللہ اللہ کیا بیتابی ہے۔ گویا زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔

عاشقاں را ہر زمانے مردنیست — مردن عشاق خود یک نوع نیست

آزمودم مرگ من در زندگی ست — چوں رہم زیں زندگی پایندگی ست

اقتلونی اقتلونی یا ثقات — ان فی قتلی حیوۃ فی حیات

یا منیر الخد یا روح البقا — اجتذب قلبی و صلی باللقا

لی حبیب حبہ یشوی الحشا — لو یشا یمشی علی عینی مشا

دیکھا آپ نے انبیاء علیہم السلام کا نقطۂ نگاہ۔ صاحبو! یہی مسلمانو

کا عقیدہ اور یہ ہے اسلام کی تعلیم جس کو آج لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ ہماری تمنا دی مجرموں کی طرح جیل خانہ میں رہنے کی ہوگئی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں مذکور ہے کہ جب ملک الموت قبض روح کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا:۔

هل رأيت خليلا يقبض روح خليله — ملک الموت تم نے کسی دوست کو دوست کی جان قبض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ملک الموت اس جواب کو سن کر آسمانوں کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت حق کی طرف سے ارشاد ہوا۔ ہمارے خلیل سے دریافت کرو:۔

هل رأيت خليلا يكره لقاء خليله۔ — تم نے کسی دوست کو اپنے دوست کی ملاقات سے گھبراتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میری روح اسی وقت قبض کرلے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا واقعہ جس دن امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ مجروح ہوئے اور آپ کو اٹھا کر مکان میں لائے تو آپ نے مکان میں آ کر نماز پڑھی لوگ عیادت کے لئے آنے شروع ہوئے کعبؓ احبار بھی آئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی تشریف لائے کعب احبار نے کہا اگر امیر المومنین اس وقت اپنے لئے خود دعا کریں تو مجھ کو امید ہے کہ ان کی زندگی بڑھا دی جائیگی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے امیر المومنین کو توجہ دلائی حضرت عمرؓ نے کعب احبار کی بات سن کر فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میری زندگی میرے کان کے قریب ہے اور ذرا ہاتھ اٹھانے سے میری زندگی میرے ہاتھ میں آجائیگی تو میں زندگی کے لئے اپنے کان

تک بھی ہاتھ اٹھانے کو تیار نہیں ہوں۔

لوری کا نتیجہ بہر حال وہ لوری جو حضرت حق کی طرف سے اپنے بندے کو موت کے وقت دی جاتی ہے وہ سن کر ایسا سوتا ہے کہ قیامت تک سوتا ہی رہتا ہے۔ جب آفتاب محشر طلوع ہوتا ہے تو حضرت حق خود ہی اپنے مخلص بندے کو بیدار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اٹھ صبح ہو گئی منھ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لے۔

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ	اے میرے بندو! آج تم پر کوئی غم اور فکر آنیوالا
وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ	نہیں ہے جو لوگ میری آیتوں پہ ایمان لائے
اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا	تھے اور مسلمان تھے انکو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ
مُسْلِمِیْنَ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ	جنت میں داخل ہو جائیں انکی بیویاں بھی ان
اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ۔	کے ہمراہ ان کے اعزاز کی غرض سے جائیں۔

صاحبو! اسی موت کو لولفاء الٰہی کہا گیا ہے اور اسی مزے کی وجہ سے تو حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد ۔۔۔ تا نہ بینم رُخِ تو رُوح رمیدن ندہم

میں جب تک آپ کو نہ دیکھ لوں گا ملک الموت کو ہاتھ بھی نہ لگانے دونگا۔ ملک الموت کون ہوتے ہیں جو میری روح کو قبض کریں اسی غزل کا ایک اور شعر ہے

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ۔۔۔ گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

سبحان اللہ کیا غیرت ہے اور کیا صحیح بات ہے ہم اولیاء ہماری آنکھ اور ہے عالم ارواح کی آنکھ اور کان علیحدہ ہیں۔ اور عالم مادیات میں تو غیرت ہی غیرت ہے

لہ اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم غمگین ہو گے جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ تمہاری عزت کریں۔

جب ہی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

أن لنفسك عليك حقا وان لعينك عليك حقا وان لزوجك عليك حقا

اگر ہم اور ہماری آنکھ ایک ہی شئے ہوتی تو اضافۃ الشئی الی نفسہ لازم آجاتی کہنے کو حضرت قلندر صاحب مجذوب ہیں لیکن کلام میں وہ رعایت ہے کہ سالکو کو نصیب نہیں ہے ۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور وہاں سے پانی پت تشریف لیجایا کرتے تھے ۔ ایک دن حاضر ہوئے تو اپنی مشہور غزل سنائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ای   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

خسرو جیسے خریدار کو بھی زیبا تھا جنہوں نے کہا ہم سے تو پانچ وقت کی نماز پڑھکر بھی خریدار بننا نہیں آتا ۔ دو عالم تو کیا دینگے جو سچے عاشق ہیں وہ دونو عالم کے بعد بھی بھاؤ بڑھانا چاہتے ہیں ۔ ہاں بھائی طلب صادق اور عشق حقیقی کا مول ہے وہ زلیخا جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کر لائی تو عورتوں نے طعنہ دیا کہ تمام خزانے ایک غلام کے پیچھے خالی کر آئی ۔ وہ امین تمام سب و شتم کو سنکر مسکرائی اور اس نے کہا ؎

گفت اے ناصح خمش کن چند چند   پند کم وہ زانکہ بس سخت است بند

تم جس مال کو پہچانتی نہیں اس کی خریداری پر عیب کیوں لگاتی ہو تم کو کیا خبر کہ میں نے کیا خریدا اور کہاں سے آئی ؎

جامے چند دادم جاں خریدم   بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت بلال کو خریدنے

تشریف لے گئے اور امیہ کو منہ مانگی قیمت ادا کرنے لگے تو امیہ نے کہا تم تو بڑے تاجر ہو۔ پھر ایسے حبشی غلام کی یہ قیمت لگا رہے ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تو بھی تو مشہور سوداگر ہے لیکن تجھ کو گاہک کے تیور ہی نہیں پہچاننے آتے اگر تو مجھ سے یہ کہتا کہ ابوبکر تم میرے غلام ہو جاؤ جب اس کو آزاد کروں گا تو میں خود غلامی قبول کرتا لیکن بلال کو آزاد کراتا۔ قیمت تو جب بڑھتی ہے جب کسی کمال کی قدر ہو۔ ایک زمین دوگنی اور تگنی قیمت دیکر خرید لیتے ہو۔ اس امیری امیر کو نسلو کے لئے ہزاروں روپے خرچ کرسکتے ہو لیکن خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے دم جھلتے ہو

حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ

بہرحال جب حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اپنی غزل سنا چکے تو حضرت قلندر صاحب سے درخواست کی۔ قلندر صاحب نے پہلے تو کہا آپ لوگ سالک ہیں۔ اور ہم تو دیوانے اور مجذوب ہیں لیکن حضرت خسرو کے اصرار پر قلندر صاحب نے یہ شعر سنائے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

آپ کے مرزا داغ دہلوی نے بھی اس غیرت کو ادا کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خوب باندھا ہے۔ مرزا داغ کی شاعری کیا ہے دہلی کی زبان کو نظم کے لباس سے آراستہ کردیا ہے۔ داغ کی اردو حقیقتاً اردو ہے دہلی کی زبان کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر مرزا صاحب نے اپنے دیوان میں رکھ دیے ہیں مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری　　غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

یہ تو اردو کے شاعر کا ایک شعر تھا اور میں نے محض ایک مناسبت سے آپ کو سنادیا ورنہ اولیاء کرام کے خیالات حقیقت پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور وہ اس جھوٹی شاعری اور تکبندی سے بالاتر ہوتے ہیں وہاں عشق صادق ہوا کرتا

ہے وہاں بھی طلب ہوتی ہے، انکو ایک لگن ہوتی ہے انکو محبوب حقیقی کی سچی دھن ہوتی ہے ان کو اپنے مٹنے اور اپنی تباہی میں ایک لطف آتا ہے وہ خام نہیں ہوتے بلکہ پختہ ہوتے ہیں۔ ان کا اسلام فنا اور ان کی بقا کفر ہوتا ہے وہ جو کچھ فرماتے ہیں صحیح جذبہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ مولانا نیاز نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

رفتم اندر تہ خاک عشق تنہائم باقیست	عشق جانم بر بود آفت جانم باقیست
ہمہ سامان وجودم شرر عشق بسوخت	ہم چو نقش کف پانام ونشانم باقیست
ہستیم جملہ خیالست بتمثال سراب	بالیقین من نیم وہم وگمانم باقیست
طمع فاتحہ از خلق ندارم نیاز	عشق اندر پس من فاتحہ خوانم باقیست

عشق حقیقی کی نیرنگیاں

صاحبو! اس عشق حقیقی کی داستان بڑی دلگداز اور المناک ہے جب یہ چیز کسی دل میں گھر کر جاتی ہے پھر اس کے اثرات عجیب وغریب ہوتے ہیں پھر تو یہ حالت ہوتی ہے کہ حضرت خبیب کو سولی پر چڑھایا جاتا ہے اور رجز کرتے ہوئے سولی پر چڑھ جاتے ہیں۔ بھلا خیال کیجئے کہ ایک شخص پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہے اور اس وقت اس کے دماغ کو اتنی حضوری ہے کہ وہ شاعری کر رہا ہے۔ پھانسی سامنے ہے اور ان پر وجد طاری ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وما بی حذار الموت انی لمیت	ولکن حذاری حر نار تلفع
فلست بمبد للعدو تخشعا	ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی
فذا العرش صبرنی علی ما یراد بی	فقد بضعوا لحمی وضل مطمعی
وذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ	یبارک علی اوصال شلو ممزع
ولست ابالی حین اقتل مسلما	علی ای جنب کان للہ مصرعی

جب مجھے اسلام پر موت آ رہی ہے تو مجھے کیا غم ہے چاہے کسی پہلو پر قتل کر دیا جاؤں مجھے موت کا غم نہیں ہے اور نہ اپنے مرنے کی فکر ہے لیکن مجھے دہکتی ہوئی آگ کا اندیشہ ہے جب میں اپنے رب کی طرف لوٹ رہا ہوں تو اندیشے کی کوئی وجہ نہیں ہے مجھے صاحب عرش نے ہر مصیبت کے برداشت کرنے کی ہمت دے دی ہے۔

میرے عزیزو! عاشقوں کی دنیا ہی بالکل نرالی اور جدا ہے بشرطیکہ کوئی صحیح رہنمائی کرنے والا مل جائے۔ اب تو یہ ان لوگوں کے فسانے ہیں جو ہم سے پہلے گزر گئے حضرت حسین بن منصور کو جب قتل کیلئے لیجایا جا رہا تھا اور ان پر لوگ پتھر پھینک رہے تھے اور ان کے منہ پر طمانچے مار رہے تھے تو وہ اسی حالت میں فرما رہے تھے۔

لم اسلم النفس للاسقام تتلفها　　الا لعلمی بان الموت یشفیها
ونفس المحب علی الآلام صابرۃ　　لعل متلفها یوما یداویها

میں نے یہ تمام مصائب جان بوجھ کر اختیار کئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میرے امراض کو موت ہی سے شفا ہو سکتی ہے۔ ایک عاشق کا نفس ہر مصیبت پر اس لئے صبر کرتا ہے کہ شاید بیمار ڈالنے والے کبھی عیادت اور تداوی کے بہانے سے آ نکلیں۔ سبحان اللہ کیا حال ہے مولانا فرماتے ہیں۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

میں نے عرض کیا تھا کہ ان لوگوں کی دنیا ہی اور ہے۔ اور آج تو ان حضرات کا کلام سمجھنے کی بھی لوگوں میں قابلیت باقی نہیں رہی۔ دہلی کے آخری تاجدار حضرت ابو ظفر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

پیو جانے ہے دل کی بتا سکے دل　　کوئی بے وفا نہ دکھائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل　　وہ دکان اپنی بڑھا گئے

ہاں ان کے نام پر کچھ رو کا نما اور نمائشی سوداگر بیٹھے ہوئے ہیں ورنہ وہ
باتیں اب کہاں اور وہ حضرات اب کہاں۔ یہ جاہل پیر ہیں جو اہل اللہ کا نام
بیچکر دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور شریعت کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان کے کلام
کے مطالب کو بگاڑ کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ بہرحال عشق کی دنیا اور ہے
ایک صاحب حال فرما گئے ہیں۔

مصحف روئے تو مارا ہست قرآن دگر　　عاشقان را دین دیگر ہست ایمان دگر

اب معاذ اللہ کوئی شخص اس کا یہ مطلب بیان کر دے کہ ان حضرات نے
کسی نئے دین یا نئے مذہب کی بنیاد ڈالی تھی تو اس سے بڑھکر کون احمق ہو سکتا ہے
اور ایسی بات وہی بیوقوف کہہ سکتا ہے جو اس قوم کی اصطلاحات سے واقف نہو۔
بہرحال! جس طرح حضرت قلندر صاحب نے اپنی غیرت عشق کا اظہار کیا
اسی خیال کو حضرت سلطان الہند خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ
علیہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

چشم غیر است درین پردہ جمالش بینم　　بہتر آنست کہ از دیدہ جمالش بینم
او جدا ز دیدہ بپیدا نکنم مے بینم　　چارہ آنست کہ من نیز جمالش بینم
پردہ گو بر فگن امروز ز رخ ورنہ مرا　　صبر آن نیست کہ فردا بجمالش بینم

حضرت قلندر صاحب کے کلام میں جو اغلاق تھا وہ بھی حضرت خواجہ
صاحب نے دور کر دیا اور جو بات صاف تھی وہ کہدی۔ غرض قلندر صاحب
نے اپنی غزل حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی تو ان کو وجد آگیا۔
بھائی ہر چند کہ سلوک کا مرتبہ جذب سے بڑھا ہوا ہے لیکن بعض وقت
جذب بھی ایسا ہوتا ہے کہ وہاں سالکوں کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ہاں
تو میں یہ شعر قلندر صاحب کا پڑھ رہا تھا ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد تانہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

صاحبو! جو لوگ چہرہ دیکھ کر جان دیتے ہوں انکو موت کی تمنا نہ ہوگی تو اور کس کو ہوگی اور یہ لوگ موت سے کیوں گھبرائیں گے انکی موت تو موافق لقائے الہی کا صحیح مظہر ہے ان کے نزدیک موت اور لقائے الہی ایک ہی چیز ہے یہ موت پر اسی طرح فریفتہ ہیں جس طرح تم زندگی کے پیچھے دیوانے ہو ان کی موت نہیں ہے بلکہ ایک نئی زندگی کا دور ہے۔ جو پہلے دور سے لاکھوں درجے بہتر ہے۔

سب سے پہلی بات صاحبو! میں عرض کر رہا تھا۔ قیامت میں اللہ رب العزت سب سے پہلے اپنے مسلمان بندوں سے فرمائیں گے کیا تم کو میری ملاقات کا شوق تھا۔ بندے اثبات میں جواب دیں گے۔ دریافت کیا جائیگا میری ملاقات کا شوق کس لئے تھا بندے عرض کریں گے۔

رجونا مغفرتك و رحمتك الہی ہمیں تیری رحمت اور مغفرت کی امید تھی ہم تجھ سے اچھا گمان کرتے تھے۔

ارشاد ہوگا میں نے اپنی رحمت و مغفرت تمہارے لئے واجب کر دی یہ سب سے پہلا کلام ہے جو ابھی تک مستقبل کے دامن میں پوشیدہ ہے لیکن میں آج آپ کو مستقبل کی تاریخ سنا رہا ہوں۔ آپ کا یورپ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہتا ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس قبل یہ ہوتا تھا۔ اور میں عرض کرتا ہوں ایسے ہزار برس کے بعد یہ ہونیوالا ہے۔ آپ کے پاس موجودہ زمانہ کے ملحدین کی نئی روشنی ہے۔ اور میرے پاس مشکوٰۃ نبوت کا نور ہے۔

بیسویں صدی کے نوجوان آج کے نوجوان مولویوں کی باتوں پر ہنسا کرتے ہیں۔ جہاں کسی پیغمبر کے معجزے کا ذکر آیا کسی ولی کی کرامت کا ذکر کیا اور یہ چیخ کر بولے مولوی صاحب

اس بیسویں صدی میں آپ ایسی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں تو آپ لوگوں کو معقول باتیں کرنی چاہئیں گویا بیسویں صدی کچھ بہت معقول ہے جس میں اللہ کے مقدس بندوں کی کرامات و معجزات کی گنجائش نہیں ہے معجزہ اور کرامت نامعقول شئے ہے؟ میں کہا کرتا ہوں ہاں میاں تم سچ کہتے ہو۔ اس بیسویں صدی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین کے معجزات و کرامات کی جگہ نہیں ہے لیکن اس بیسویں صدی میں شراب عام طور سے فروخت کی جاسکتی ہے اس بیسویں صدی میں بازاری عورتیں اپنی شرمگاہوں کا علی الاعلان بھاؤ کر سکتی ہیں۔ اس بیسویں صدی میں نہتے باشندوں پر ہوائی جہاز سے بمباری کی جا سکتی ہے۔ اس بیسویں صدی میں ہاتھ جوڑ کر دیسی کپڑے کی سفارش کرنیوالوں کو چھ ماہ کی قید ہو سکتی ہے اس بیسویں صدی میں کروڑوں انسانوں پر ان کی مرضی کے خلاف حکومت کی جا سکتی ہے۔ اس بیسویں صدی میں اہل وطن کا حق وطنیت سلب کر کے اجنبی لوگوں کا وطن بنایا جا سکتا ہے۔ اس بیسویں صدی میں ہر قسم کی بد تہذیبی بے ایمانی اور سخت گیری جائز ہے لیکن خدا کے مقدس بندوں کی تعلیم کے لئے اس بیسویں صدی میں کوئی گنجائش نہیں۔ آپکی اس بیسویں صدی میں ایک اجنبی مرد اجنبی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ناچ سکتا ہے لیکن خدائی تہذیب کیلئے اس صدی میں دروازہ بند ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آجکل کی دنیا آگے بڑھ رہی ہے۔ آج کی دنیا ترقیوں کی دنیا ہے۔ آجکل علم کا چرچا ہے ہر مجلس میں آپ دو انٹلیکچول مل جاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کیا آپکی تعلیم بالخصوص جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی تو اعجازی اعجاز ہے۔ تم معجزات کا کہاں تک انکار کرو گے چاند کے دو ٹکڑے ہونا معجزہ تھا مگر اسلام

کرنا۔ انگلیوں میں سے پانی نکلنا۔ اگر یہ باتیں آپ کے نزدیک مضحکہ خیز ہیں تو ایک امی شخص کا لٹھی کی لکڑیوں پر بیٹھ کر ایک مکمل قانون بنا دینا بھی آپ کے نزدیک معجزہ نہیں ہے۔

۱۵۳۔ الف میں ترمیم بہرحال مسلمانوں کی چیخ پکار اور مولانا محمد علی مرحوم کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے قانون کے نقصان کو تسلیم کیا، اور قانون میں ترمیم ہوئی۔ اگرچہ مولانا مرحوم جیسا چاہتے تھے گورنمنٹ نے وہ تو نہیں مانا۔ لیکن ترمیم ضرور ہوئی۔ ایک قانون کیا کوئی قانون بھی ایسا ہے جس میں ترمیم نہیں ہوئی۔ دفعہ ۱۰۸ میں بھی ترمیم ہوئی۔ پہلے اس دفعہ میں محض سزا بھی ہو سکتی تھی اور سخت سزا بھی ہوا کرتی تھی۔ اب صرف محض سزا ہو سکتی ہے سخت نہیں ہو سکتی۔ بعض دفعات جو پہلے راضی نامہ کے قابل نہ تھیں اب ان میں راضی نامہ بھی ہو سکتا ہے کس قدر محنت اور غور و خوض کے بعد ایک قانون بنتا ہے اور چند ہی روز کے بعد ترمیم کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ یہ ہے آپ کے انسانی دماغ کی کمزوری اور مجبوری۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون اس کے مقابلہ میں اس شخص کا قانون دیکھو جو ایک بیوہ ماں کے گھر کا چراغ بنتا ہے۔ اس کو یتیم سمجھ کر ایک غریب گھرانے کی دائی دودھ پلانے کے لئے لیجاتی ہے۔ وہ اسی بے سروسامانی اور غربت میں پرورش پاتا ہے۔ چند دن میں ماں کا سایہ بھی سر پہ نہیں رہتا۔ دادا کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔ کوئی لکھانے پڑھانے والا نہیں جس ملک میں پیدا ہوئے وہ تہذیب تمدن سے ایسا دور جو لکھنے پڑھنے ہی کو عیب سمجھے۔ لکھے پڑھے لڑکے کا کہیں رقعہ جائے تو محض اس بنا پر رد ایس ہو جائے کہ یہ لکھا پڑھا کیوں ہے ایسی

حالت میں پڑھاتا بھی کون۔ آجکل ماں باپ والے بچے لاکھوں جاہل ہیں بن ماں باپ کے بچے کی تعلیم کا کیا طریقہ ہو سکتا تھا۔ نہ کبھی قلم دوات کی صورت دیکھی نہ سلیٹ۔ پنسل کے مرہون منت ہوئے نہ کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا، نہ کسی مدرسے میں داخل ہوئے۔ پھر سارے حجاز میں نہ کوئی کالج۔ نہ یونیورسٹی، نہ کوئی ہائی سکول، نہ پرائمری سکول، نہ کوئی مکتب، داخل بھی کہاں ہوتے۔ اور داخل بھی کون کراتا۔ اور داخل بھی ہو جاتے تو ان کو کوئی پڑھاتا کیا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قصہ

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بعض قصص کی کتابوں میں نظر سے گزرا ہے۔ ان کی والدہ نے انکو کسی مکتب میں بٹھا دیا تھا معلم اور استاد نے کہا بیٹا پڑھو ابجد حضرت عیسیٰ ع نے فرمایا ابجد کے معنی کیا ہیں۔ اس نے کہا معنی تو میں نہیں جانتا حضرت عیسیٰ ع نے فرمایا۔ اما الالف فالاء اللہ۔ والباء بھاء اللہ والجیم جلال واللہ الدین اللہ الف سے مراد اللہ تعالےٰ کی نعمتیں ہیں۔ با سے مراد شیونات کی نیرنگیاں ہیں جا سے مراد اس کا جلال اور د سے مراد اس کا دین۔ استاد بولے لڑکے خوب کہا۔ اچھا اب ھوز بتا حضرت عیسیٰ ع نے کہا ھا تو ھو اللہ کی ہے۔ واؤ ویل للمکذبین کا ہے اور ز ا سے مراد جہنم کے وہ فرشتے ہیں جن کا نام زبانیہ ہے۔ استاد نے کہا حطی کیا ہے آپ نے فرمایا۔ حا تو حطت الخطایا کی ہے یعنی خطاؤں کا معاف ہونا۔ اور طا شجر طوبیٰ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یا سے مراد ید اللہ علیٰ خلقہ ہے۔ استاد نے کہا بیٹا کلمن کیا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا کاف سے مراد کلام اللہ ہے لام سے مراد لقاء اللہ ہے میم سے مراد

ملک اللہ اور نون سے مراد نور اللہ ہے۔ غرض استاد دریافت کرتا اور حضرت عیسیٰؑ بتاتے رہے۔ جب قرشت پر پہونچے تو استاد نے حضرت مریم کو بلا کر کہا اس بچے کو لے جائیے میں اس کو کیا پڑھاؤں گا۔ اس نے تو مجھ کو وہ پڑھا دیا جو آج تک میں نے نہیں پڑھا تھا۔

اسلامی قانون بہر حال وہ آمنہ کے گھر کا چراغ پڑھنے جاتا تو کہاں جاتا اسے کوئی پڑھاتا بھی تو کیا پڑھاتا۔ اول تو کوئی سرپرست نہیں، ہمدرد نہیں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں، قصبہ ایسا جہاں تعلیم کا رواج نہیں۔ علاقہ تہذیب و تمدن سے اتنا دور کہ آج بھی اونٹ کا گوشت کھانے اور بکریوں کا دودھ پینے ہی کو جانتے ہیں۔ موجودہ تہذیب سے اتنے نا آشنا کہ سچ مچ عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ اس دور میں جبکہ یورپ ہوا پر اڑ رہا ہے۔ یہ بھلے آدمی موٹر کو جادو کی گاڑی سمجھتے ہیں ابن سعود کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے کہ وہ جادو کی گاڑی میں کیوں چڑھتا ہے ٹیلیفون سے بات کرنے پر کفر کا فتویٰ تیار تھا۔ غرض آج جن کی یہ حالت ہے ۱۳ سو برس پہلے خدا جانے وہ تہذیب و تمدن سے کس قدر دور ہوں گے اس وادی غیر ذی زرع میں یہ امّی اور یتیم بچہ اپنی پھٹی ہوئی کملی بچھا کر بیٹھا کے سنگریزوں پر بیٹھ جاتا ہے اور مادی اسباب کے فقدان کے باوجود ایک قانون بناتا ہے نہ اسکے پاس ٹیلیفون ہے۔ نہ مکہ میں کوئی اخبار ہے نہ وہاں کوئی لائبریری ہے، نہ وہاں کوئی اسمبلی اور نہ قانونی مشیر ہے۔ اس تمام بے سروسامانی کے باوجود تن تنہا ایک شخص قانون بناتا ہے۔ قانون تمام دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے بنائے اور اس کا قانون ۱۴ سو برس میں ایک ترمیم قبول نہ کرے۔

نوجوانوں سے سوال

کیوں بھائی! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ کوئی شاعری ہے یا شاعرانہ تخیل ہے یا محض تفنن طبع کے طور پر کہہ رہا ہوں، یا جاہل میلاد خوان اور قصہ خوانوں کا کوئی قصہ سنا رہا ہوں یہ تو ٹھیک ہے ٹھیک۔ پھر بتاؤ کیا یہ اعجاز نہیں ہے؟ یہ انسانی طاقت کا کام ہے۔ اسلام نے جو قانون بنایا ہے اور اس میں جتنی لچک رکھی ہے وہ سوائے کے قانون میں ہو سکتی ہے آج تم نہیں دیکھ رہے کہ دنیا کے عقلا اور بڑے بڑے قانون داں کس طرح قانون محمدی کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں۔ کیا امریکہ جیسی قوم نے طلاق کا قانون نہیں بنایا؟ کیا مہاراجہ بڑودہ نے طلاق کا قانون نہیں رائج کیا؟ کیا اب ہندو مہاسبھا اس فکر میں نہیں ہے کہ طلاق کا قانون ہندوؤں کے لئے اسمبلی میں منظور کرائے۔

کیوں صاحب! مہاراجہ بڑودہ تو طلاق کا قانون رائج کر کے قابل مبارکباد سمجھے جائیں۔ اور وہ جس نے قانون طلاق کی ابتدا کی اور ایسے وقت میں ابتدا کی جب کوئی اس لفظ کو جانتا بھی نہ تھا۔ وہ قابل مبارکباد اور خدا کا فرستادہ نہ سمجھا جائے۔

قوانین اسلام کی ہمہ گیری

صاحبو! ایک طلاق کیا۔ اسلام کا دہ کونسا مسئلہ ہے جو دنیا کی قوموں نے کسی نہ کسی طرح اپنے ہاں رائج نہیں کیا؟ نکاح، لڑکی کا ورثہ، متبنی کی وراثت سے انکار، معاملات اور عقائد میں صدہا ایسے مسائل ہیں جو دنیا کی قوموں نے اسلام سے لئے ہیں۔ بعض بعینہ اٹھا کر رکھ لیے ہیں۔ اور بعض کو تھوڑا بہت بدل کر استعمال کر لیا ہے۔ لڑکیوں کا ورثہ دیا جانا، بیوہ عورت کا ورثہ، بیوہ عورت کا سسرال والوں کی ملک نہ ہونا۔ غرض ایک چیز ہو تو

عرض کروں، مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ آہستہ آہستہ آپ کی پڑھی لکھی دنیا، آپ کی ایٹمی دنیا، آپ کی فلسفی دنیا، آپ کی سائنسدان دنیا، آپ کی روشن خیال دنیا، آپ کی تعلیم یافتہ دنیا، نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین غیر مبدلہ کے سامنے عاجز اور شکست خوردہ ہو رہی ہے۔

احسان فراموشی

ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کی پڑھی لکھی دنیا چونکہ ڈپلومیسی اور بے ایمانی کی دنیا ہے اس لئے نہ تو اپنے عجز کا اعتراف کرتی ہے اور نہ اسلام کا احسان مانتی ہے بلکہ یہ احسان فراموش اور محسن کش دنیا اپنی کمزوری کو چھپانے کیلئے سینکڑوں حیلے اور سینکڑوں جھوٹی تاویلیں اور شرارت آمیز پروپیگنڈا کرتی رہتی ہے۔ اپنی بے بضاعتی اور اپنی تہذیب کی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے صدہا قسم کے جھوٹ بولتی ہے۔ اور اپنی چرب زبانی اور پروپیگنڈے کے زور میں اسلامی قوانین کی خوبیوں کو دبانا اور چھپانا چاہتی ہے۔

دوسرا معجزہ

آپ کے نزدیک تو یہ بیسویں صدی کسی قسم کی کرامت اور معجزہ کا تحمل ہی نہیں کرسکتی۔ اور ایک کرامت اور معجزہ کا کیا ذکر ہے اس صدی میں انبیاء علیہم السلام کی بہترین تہذیب کے لئے گنجائش ہی نہیں ہے اس صدی میں خدا پر ایمان لانا ہی کونسی معقول بات ہے۔ اس صدی میں خدائے وحدہٗ لا شریک کی عبادت کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مزدور کی خدمت کرنا۔ حج کو جانا یہ باتیں ہی کب معقول ہیں۔ یہ بیسویں صدی کیا ہے ایک مصیبت ہے جو خدا کے بندوں پر مسلط ہو گئی ہے۔ آخر وہ معجزہ ایسی کیا چیز ہے کہ جس کے نام سے آپ گھبراتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ایک روحانی طاقت عطا ہوتی ہے جس کے

ذریعہ ان سے بعض ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو دوسرے لوگوں سے نہیں ہو سکتیں اور معجزہ کونسی خوفناک چیز ہے جس کا ذکر اس صدی میں مضحکہ خیز چیز ہے؟

جادو اور معجزہ کا فرق

آپ کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر معجزہ کو کوئی اہمیت دی گئی تو پھر جادو اور معجزے میں فرق کرنا مشکل ہو جائیگا لیکن مجھ کو تعجب ہے کہ آپ کو یہ شبہ کیوں ہوا جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ مصر میں جادوگروں کا ایک مقدس پیغمبر سے مقابلہ ہو چکا ہے اور اس مقابلہ میں جادوگروں کو شکست ہو چکی ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جادو اور سحر کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے جادو کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جادو ایک تخیل اور دہشت بندی کا نام ہے۔ کسی کی نگاہ کو مسحور کر لینا اور کسی چیز کا خلاف حقیقت نظر آنا اور بات ہے اور کسی شے کا حقیقی طور پر تبدیل ہو جانا اور شے ہے۔

لکڑی کا واقعی سانپ بن جانا اور لکڑی کا فرضی سانپ دکھائی دینا کیا آپ کے نزدیک ایک ہی بات ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں فرماتے ہیں حضرت موسیٰ نے جادوگروں سے فرمایا تم کو جو کچھ دکھانا ہے وہ دکھاؤ مصری حکومت کے بڑے بڑے جادوگروں نے جب اپنا عمل کیا تو فاذا حبالہم وعصیہم یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعی جادوگروں کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہماری طرف بہت سے سانپ آ رہے ہیں۔ اور چونکہ ان کی لکڑیوں اور رسیوں میں ایک حرکت نظر آ رہی تھی۔ اس لئے دیکھنے والوں کو خوف معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ واقعہ یہ تھا

؎ پھر تبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اسکے خیال میں آئیں انکے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں۔

کہ نہ وہ سانپ تھیں اور نہ ان میں کوئی حقیقی حرکت تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ کو ارشاد ہوا۔ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا[1] آپکے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے یعنی عصا کو پھینک دیجئے تاکہ وہ ان کی رسیوں اور لکڑیوں کو نگل جائے۔ کیونکہ وہاں محض نظر بندی ہے اور تمہارے پاس حقیقت ہے۔ جادوگر نبوت کے نہ تو مدعی ہیں اور نہ نبی ہیں۔ تم نبوت کے مدعی بھی ہو اور نبی بھی ہو۔ نبی جو خرق عادت فعل کرے وہ معجزہ ہے اور دوسروں کے ہاتھ سے جو غیر مسلم ہوں اگر کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جائے وہ جادو یا استدراج ہے۔

معجزے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے شخص کی طرف سے ہو جو اپنے کو مسلمان اور خدا کا بھیجا ہوا کہتا ہو۔ مفسدین کے اعمال کو خدا کی تائید حاصل نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق کی تائید حاصل ہوتی ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے خود بھی اپنی ایک تقریر میں جادوگروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ۔ تم جو کچھ میرے مقابلہ میں لائے ہو وہ محض جادو ہے اللہ تعالیٰ اسکو شکست دیدیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کے اعمال کا حامی نہیں ہے۔

تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ جادو اور نظر بندی ہے جس کو اللہ تعالےٰ مٹا دیگا اور تحویل ہو گئے کیونکہ رب العزت مفسدوں کے اعمال و افعال کو سنوارتا[2] نہیں کرتا چنانچہ آپ نے دیکھا فرعون کے حامی جو اس کے اقبال کی قسمیں کھا کھا کر اپنی کامیابی کا یقین کرا رہے تھے اور تھوڑی دیر پہلے کہہ رہے تھے بعزۃ فرعون انا لنحن الغٰلبون[3] چند منٹ نہ گزرے تھے کہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ لیا کہ

---

[1] ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے جو کچھ انہوں نے بنایا۔ [2] جو تم لائے ہو سو جادو ہے اب اللہ اسکو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام۔ [3] فرعون کے اقبال سے ہماری ہی جیت

ایک ظالم بادشاہ کے نام کی قسمیں کھانے والے سجدے میں سر رکھے ہوئے کہہ رہے تھے آمنا برب العلمین رب موسیٰ وھارون رب العالمین کہنے کے بعد انکو مزید تصریح کی ضرورت پیش آئی کیونکہ وہ مردود بھی اپنے آپکو رب العالمین سمجھتا تھا۔ اسلئے انکو عام کے بعد خاص کرنے کی ضرورت پیش آئی اور کہا ہم اس رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے چند منٹ میں ہزارہا انسانوں کے قلوب پر قبضہ کر لینا بھی آپ کے نزدیک معجزہ نہیں ہے۔ فرمایئے آپ کی سائنس اس معاملہ میں کیا کہتی ہے۔

جادو کا شر رہا جادو کا اثر اور اس کا شر تو اس سے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس کے شر کے پناہ مانگنے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔ ہر بُری چیز کا ایک اثر ہوتا ہے۔ انہیں بُری چیزوں میں سے ایک جادو بھی ہے۔ کسی حاسد کا حسد بھی ہے۔ شیطان کا وسوسہ بھی ہے جنات کا نقصان بھی ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بچوں کو مغرب کے وقت باہر نکالنے سے منع فرمایا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی اچھی یا بُری چیز کا اثر مستقل بالذات نہیں ہے۔ بلکہ جملہ اثرات حضرت حق کے حکم کے تابع ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز جس مقدس انسان کی مبارک زندگی کا ایک ایک گوشہ اعجاز نما انقلاب سے لبریز ہو۔ اسکے معجزات کا انکار کس طرح ہو سکتا ہے جس کی مقدس زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے دامن میں ہزارہا انقلاب پوشیدہ رکھتا ہو جس پیغمبر کی تمام زندگی معجزہ ہو۔ اس کے معجزات سے ایک سمجھدار آدمی کیلئے انکار کس طرح ممکن ہے میں جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم

اولین و آخرین کے مالک ہوں جن کی شریعت قیامت تک رہنے والی ہو، اور جو پیغمبر خدا کا آخری پیغام ہو وہ صرف تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں ایک انتہائی جاہل اور اجہل قوم کو جو الٰہیات سے بالکل ناآشنا ہو اتنے بلند منبر پر پہنچا دے، کیا یہ اعجاز نہیں ہے، عرب کی جہالت اور علم الٰہی سے ناواقفیت کی تاریخ ایسی نہیں جو کسی سے پوشیدہ ہو۔ اہل عرب کی توہم پرستی بت پرستی اور دین الٰہی سے بیگانگی کے قصے آپنے بارہا سنے ہونگے، مجھے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے خدا کی توحید جو آجکل ایک مسلمہ مسئلہ بن گیا ہے۔ اور جس کی یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے بت پرست اور صلیب پرست بھی شرک کے نام سے گھبراتے ہیں اور اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ہم کو مشرک نہ کہا جائے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے؟ جس دن خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا اعلان کیا ہے اس دن مشرکین کی جانب سے کیا جواب دیا گیا تھا۔ فاران کی چوٹی پر جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا الٰهكم اله واحد لوگو! تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اس فطری اعلان کو سنکر لوگوں نے کہا۔ اجعل الالهة الها واحدا [1] کیا تمام معبودوں کو ملا کر ایک معبود کر دیا جائے یہ بات تو ایسی انوکھی اور غیر معقول ہے جس کا ذکر ہم نے کبھی سنا ہی نہیں۔ [2] ما سمعنا بهذا فی الملة الاخرة

حضرات جس قوم کی یہ ذہنیت ہو کہ وہ ایک معبود کے نام سے گھبراتی ہو۔ صبح سے شام تک جو قوم ہر اچھے اور خوبصورت پتھر کو اپنا معبود بنا لیتی ہو وہ انبیاء علیہم السلام کی توحید کو کس طرح سمجھ سکتی تھی۔ جو قوم بکریوں کا دودھ پی کر اور اونٹ کا

---

[1] کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی۔ ۱۲

[2] یہ نہیں سنا ہم نے اس سے پچھلے دین میں۔ ۱۲

گوشت کھا کر زندہ رہنے ہی کو مقصد زندگی سمجھتی ہو۔ جو نہ خدا کی ذات اقدس سے واقف ہو اور نہ مرنے کے بعد جینے کی قائل ہو نہ رسالت سے آشنا ہو جو کھلے الفاظ میں اپنی ملحدانہ ذہنیت کا مظاہرہ ان الفاظ میں کرتی ہو۔

ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیا وما یھلکنا الا الدھر[1] ہماری زندگی صرف دنیا کی زندگی ہے یہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں ہمکو زمانہ ہلاک کر دیتا ہے۔

جو اپنے جینے مرنے کا سہارا صرف زمانہ کو جانتے ہوں وہ عالم برزخ کو کیا سمجھتے ہوں گے ایک ایسی جاہل قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے عرصہ میں ایسا خدا شناس بنایا جو تمام عالم کیلئے مشعل ہدایت بن گئی۔ اور ایک چراغ سے لاکھوں چراغ ایسے روشن ہوئے جو بڑی تیز اور تند ہواؤں کے مقابلہ میں بھی ثابت قدم رہے اور اپنے نور سے ظلمت کدۂ کفر کو منور کرتے رہے یہی مطلب ہے قد جاءکم من اللہ نور[2]کا۔ اور یہی مطلب ہے اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور[3]کا۔

سراجاً منیراً کی تفسیر بعض اکابر نے سراجاً منیراً کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے ہوئے چراغ سے اس بنا پر تشبیہ دی ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلائے جاسکتے ہیں اور چراغ کی روشنی کو ہر مقام پر پہنچایا جاسکتا ہے۔ یہ بات نہ تو آفتاب کو میسر ہے اور نہ ماہتاب کو، آفتاب باوجود ایک جرم کبیر ہونے کے زمین دور

---

[1] اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہم جو مرتے ہیں زمانے سے ۱۲۔

[2] بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

[3] اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے انکو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔

نہ خانوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن چراغ ہر تاریک سے تاریک مقامات پر پہنچایا جاسکتا ہے اور اس کے نور سے زمین دوز تاریکیوں میں استفادہ کیا جاسکتا ہے اسی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام یعنی میرا لایا ہوا پروگرام زمین کے ہر حصہ میں پہنچ جائیگا۔ دنیا کا کوئی پختہ اور خام مکان ایسا نہ رہیگا۔ جہاں اسلام کی آواز نہ پہنچ جائیگی جس طرح چراغ ہر تاریکی میں لیجایا جاسکتا ہے اسی طرح خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام سے بھی دنیا کی تمام بسنے والی قومیں آشنا ہو کر رہیں گی چنانچہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کا گوشہ گوشہ اسلام کی آواز سے گونج چکا ہے اور بتدریج دنیا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اپنی زندگی کے پروگرام میں داخل کر رہی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

کاش اگر آج ہمارے پاس سیاسی اقتدار ہوتا اور ہمارے ہاتھ میں پروپیگنڈے کی طاقت ہوتی تو ہم آپکو بتاتے کہ اسلام کو کس طرح قبول کرنے پر دنیا مجبور ہوتی میں عرض کیا کرتا ہوں کہ پڑھی لکھی دنیا جاہل دنیا سے اچھی ہے خبر رسانی کے ذرائع اسقدر سہل ہو چکے ہیں کہ تمام دنیا ایک محلہ بن گئی ہے۔ کل شام کو امریکہ اور یورپ میں جو کچھ ہوتا ہے آج صبح کو ہندوستان کے رہنے والوں کو اسکی اطلاع مل جاتی ہے تمام ممالک مہذب ہوں یا غیر مہذب انکے خیالات، انکے عقائد اور انکا تمدن منڈی میں آچکا ہے۔ ہر گوشہ کے بسنے والوں کی تہذیب اور ان کا مذہب بازاروں میں موجود ہے۔ یہ وقت ہے کہ بہترین مال زیادہ سے زیادہ رائج ہو سکتا ہے ہر شخص اسلام اور کفر کا مقابلہ کر کے آسانی کیساتھ رائے قائم کر سکتا ہے۔

امریکہ میں قحط سالی امریکہ کی خشک سالی کا چرچا برابر اخبارات میں آرہا ہے گرمی کی وجہ سے لوگوں کی اموات اور

پانی کی قلت کے باعث تول تول کر پانی کا ملنا بھی آپ کو اخبارات سے معلوم ہو رہا ہوگا۔ امریکہ دنیا کے ان بر اعظموں میں سے ایک بر اعظم ہے جو اپنی ترقی اور تہذیب میں تمام دنیا سے ممتاز شمار کیا جاتا ہے۔ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جہاں کے باشندوں نے شراب نوشی ترک کی اور شراب نوشی کے خلاف جہاد شروع کیا اور ہمارے بعض تعلیم یافتہ نوجوانوں نے امریکہ کے اس فعل سے مدتوں استدلال بھی کیا۔ اور امریکہ کے ڈاکٹروں کی آراء خیالات کو بڑے فخر و مباہات کے ساتھ بیان کیا۔ اور اسکو اسلام کی فتح بیان کی لیکن آپ جانتے ہیں۔ میں تو اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں تو کسی ڈاکٹر کی رائے پر اسلام کو نہیں جانچا کرتا کسی ڈاکٹر کی رائے اسلام کے کسی مسئلہ سے موافقت کرے یا نہ کرے۔ بہرحال اسلام ایک خدائی مذہب ہے اور مجھے اس پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں ڈاکٹروں کی رائے غیر مستقل ہے انکی رائے کا کیا اعتبار ہے۔ یہ صبح کچھ کہتے ہیں اور شام کچھ کہتے ہیں۔ میرے مذہب کا دارومدار امریکہ اور جرمنی کے ڈاکٹروں کی رائے پر نہیں ہے۔ میرے مذہب کا دارومدار تو جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرمان پر ہے۔ یہی امریکہ کچھ دنوں پہلے شراب کا کیسا مخالف تھا لیکن آج شراب کا پورا حامی ہے۔ کل تک یہی امریکہ تھا کہ لندن سے آنیوالے شراب کے جہاز کو اپنے ساحل پر غرق کر دیا کرتا تھا لیکن آج یہی امریکہ ہے کہ لندن والوں کو شراب کے لالچ میں سؤر کا گوشت پہنچاتا ہے۔ دونوں ملکوں کا تجارتی لین دین ہوتا ہے۔ امریکہ کہتا ہے میں انگلستان کے باشندوں کے لئے سؤر کا بہترین گوشت مہیا کروں گا اور انگلستان کہتا ہے کہ جب آپ کو اس کے بدلے میں بہترین شراب بہم پہنچاؤں گا۔ آپ نے بہترین مہذب ملک کی تہذیب اور تلون مزاجی ملاحظہ کی۔

بارش حاصل کرنے کا طریقہ اچھا اور سلئے اس مہذب ملک میں بارش کا قحط ہے امسال وہاں کے باشندے خشک سالی سے پریشان ہیں۔ پانی طلب کرنے کا طریقہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا امریکہ جیسے مہذب ملک کی لڑکیاں ننگی ہو کر سمندر کے کنارے کے قریب ناچنے لگیں ایک پادری کو سمندر میں دھکا دیکر پھینک دیا گیا کنواری لڑکیاں برہنہ ہو کر خوب ناچیں یہ تمام افعال قبیحہ اسلئے کئے گئے کہ اس مہذب ملک کے باشندوں کا یہ خیال ہے کہ لڑکیوں کے ناچ سے پانی کے دیوتا خوش ہو کر پانی برسا دیا کرتے ہیں۔ اب ذرا اس مہذب ملک کی تہذیب کا استسقاء کی نماز سے مقابلہ کیجئے اور دیکھئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تہذیب کس قدر بلند ہے۔ اگر خشک سالی اور قحط ہو آسمان سے پانی نہ برسے تو مسلمان کیا کرتا ہے جنگل میں جا کر اپنے معبود برحق کے سامنے رُوتا اور گڑگڑاتا ہے، اس سے دعا کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے مسلمان کا ہر معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ خوشی اور مسرت کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ کرتا ہے اور مصیبت و تکلیف کے وقت بھی اپنے خدا ہی کو پکارتا ہے۔

معاف کیجئے، میری تقریر کسی قدر طویل ہوگئی ہے لیکن کیا کروں

سندھ کے پیر جب بات زبان پر آجاتی ہے تو کہنی ہی پڑتی ہے۔ پنجاب کے نوری غرق کی محبت رسول تو آپ کو معلوم ہی ہوگی کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمیت اور بشریت سے ہی خارج کر دیا۔ اب ذرا چلائیے سندھ کو ملاحظہ کیجئے جہاں سے صرف تین سو میل مسقط کا فاصلہ ہے گویا جو ملک عرب سے اتنا قریب ہے وہاں کی پیر پرستی نے کفار مکہ کی ارواح کو بھی شرمندہ کر دیا ہے جب تک یہ جاہل پیر موجود ہیں اسوقت تک مسلمان

سندھ میں کیا ترقی کر سکتے ہیں اگر صوبہ سندھ بمبئی سے علیحدہ بھی ہو جائے تو سوائے اس کے کہ سیٹھ عبداللہ ہارون یا مولانا عبدالمجید سندھی وزیر ہو جائیں اس سے زیادہ مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ سندھ کے ان جاہل پیروں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا ہو بلکہ حج بھی سندھ میں حج کرایا جا رہا ہے یعنی باقاعدہ لوگ احرام باندھ کر حج کی نیت سے پیر صاحب کے مکان پر آ کر حج کرتے ہیں۔ حج کے بعد ان کو سند دی جاتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے۔ حج مبارک۔ ایک طرف تو یہ جہاں تمام اہل علم کو اس بنا پر کافر کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ توہین کا ارتکاب کرتے ہیں اور دوسری طرف ان خبثا کی یہ حالت ہے کہ کعبہ کے مقابلہ میں دوسرا کعبہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے اور اپنی ملعون بستیوں کو معاذ اللہ مدینہ طیبہ کے ہم پلہ سمجھتے ہیں۔ ان جاہل پیروں میں سے ایک جاہل پیر کی بستی کے قصیدہ میں لکھا جاتا ہے ؎

مدینہ ز خاکے کہ افراختند — زمین لواری ازاں ساختند

اور ملاحظہ کیجئے اور مسلمانان سندھ کی پیر پرستی اور توہین انبیاء کی داد دیجئے ارشاد ہوتا ہے ؎

در لواری نور حق و شاہ نبیاں آمدہ — آدم و نوح و خلیل و نور رحمان آمدہ
شاہ یا شیداۓ سر یزداں شاہ شاہاں آمدہ — شاہ سلطان اولیا یا سر یزداں آمدہ
مالک ملک نبوت ہم ولایت آمدہ — در جہاں این نور حق ذات مجسم آمدہ

دیکھا آپ نے مسلمانان صوبہ سندھ کا ذوق ایمانی اور عشق خدا اور رسول فرمایئے جس صوبہ میں اس قسم کے پیر خدائی کر رہے ہیں اور ان کی بستی میں باقاعدہ ہر سال حج کیا جاتا ہو تو کیا یہ صوبہ بھی اس بیسویں صدی میں کوئی ترقی کر سکتا ہے۔ تم

انگریزوں سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن میں کہتا ہوں جب تک ان جاہل پیروں سے مسلمانوں کو آزاد نہ کراؤ گے انگریزوں سے آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کمبختوں نے کفر و اسلام کو ایسا مخلوط کیا ہے کہ ایک اجنبی آدمی کیلئے دونوں میں تفریق کرنا مشکل ہو گیا ہے وہ کونسی کفر کی رسم ہے جو آج مسلمانوں میں رائج نہیں ہے۔ مسلمان اب بھی بیوہ عورتوں کی شادی سے انکار کر رہے ہیں مسلمان اس پیغمبر کے نام لیوا ہیں جس کی نو بیویوں میں آٹھ بیوہ تھیں جس پیغمبر نے آٹھ بیوہ عورتوں سے یکے بعد دیگرے شادی کی ہو۔ اس کی امت بیوہ کی شادی کو اپنی ذلت اور توہین سمجھتی ہے ہندو اپنی عورتوں کو ورثہ دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لڑکی کو ورثہ دیا جائے لیکن مسلمان ورثہ کے خلاف ہیں۔ آج بھی بمبئی اور پنجاب میں ہزارہا مسلمان ایسے ہیں جو شریعت کی بجائے رواج پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں ہندو اچھوتوں کو مساویانہ حقوق دلانے کے درپے ہیں وہ اس قسم کا قانون اسمبلی میں بنوانا چاہتے ہیں جس کی رو سے اچھوتوں کو مندروں میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے لیکن مسلمان اپنے اچھوتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو تیار نہیں ہیں مسلمانوں کی مزدور پیشہ اقوام کو آج بھی جوتیوں میں جگہ ملتی ہے کسی پیشہ ور مزدور کی کیا مجال ہے کہ وہ چارپائی یا مونڈھے پر بیٹھ سکے ہندو اپنی اصلاح کے درپے ہے۔ وہ اپنی رسومات قبیحہ سے پریشان ہو کر قانون کے ذریعہ اصلاح کرانا چاہتا ہے۔ اچھوت کے حقوق۔ بیوہ کے حقوق۔ عورتوں کے عام حقوق کے لئے کوشش کرتا ہے لیکن مسلمان ابھی ان ہی رسومات کفریہ کو اپنی قوم میں رواج دینا چاہتا ہے اس پر لڑتا ہے اور ان رسومات قبیحہ پر اصرار کرتا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

پنجاب کونسل میں ہندو شراب کے خلاف قانون بنوانا چاہتے ہیں لیکن مسلمان شراب کی حمایت کرتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں کہ شراب کو روکنے سے حکومت کو نقصان ہوگا۔ ہندو یہ چاہتے ہیں کہ شراب کو بند کرا کے حکومت کو نقصان پہنچائیں۔ ایسی حالت میں جب ہندو حکومت کو نقصان پہنچانا چاہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت کی امداد کریں کیونکہ حکومت ہم پر بہت مہربان ہے اور ہم حکومت کے وفادار ہیں جب ان وفاداروں کی سعی سے شراب کے خلاف قانون پاس نہیں ہوتا تو انگریزوں کی اس خدمت پر یہ بہت خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بہترین کام کیا ہے۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

پست اقوام پر اسلام کا احسان

کیوں صاحب! کیا آپ نہیں جانتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم نے پست اقوام پر کس قدر احسان کیا ہے۔ عرب میں پیشہ کی وجہ سے کوئی عزت یا ذلت نہ تھی یہ طریقہ عجم کا ہے کہ یہاں پیشوں کی وجہ سے لوگوں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ عرب میں خواہ کوئی پیشہ ہو بحیثیت پیشہ کے ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا البتہ غلامی اور حریت مابہ الامتیاز ضرور تھی، ایک غلام یا آزاد شدہ غلام حر کے مقابلہ میں ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ دو پشتوں کا آزاد تین پشت والے آزاد سے کم مرتبہ خیال کیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خاص اعلان کے ذریعہ اس تفاوت کو مٹایا۔ اور فرمایا کہ آج سے احمر اور اسود کا ایک ہی مرتبہ سمجھا جائیگا تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ زید بن حارثہ کو آزاد کیا اور آزاد کر کے اس کو اپنا متبنیٰ بنا لیا پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ زید سے اپنی پھوپی زاد بہن کا نکاح کیا۔ ایک آزاد شدہ

غلام کے ساتھ ایک قریشی خاتون کا نکاح ایک ایسا انقلاب تھا جس سے عرب کے لوگ صدہا برس سے ناآشنا تھے۔ عرب کے نزدیک اہل عجم بھی کم تر سمجھے جاتے تھے۔ لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کو اپنی اہلبیت میں داخل کرکے اس مزعومہ برتری کو بھی پاش پاش کر دیا۔ جو عرب نے عجم پر خیالی طور پر رکھی تھی۔ اسی طرح حضرت بلال رض کو مسجد نبوی کا مؤذن بنا کر صف اولیٰ میں کھڑے ہونے کا موقعہ دیا تاکہ غلاموں کے ساتھ جو ذلت کا برتاؤ کیا جا رہا تھا اس کو دور کر دیا جائے جس پیغمبر کی زندگی اس قسم کے ہزار ہا انقلابات سے معمور ہو۔ آج اس کی امت ایک جلاہے کو چارپائی پر نہ بیٹھنے دے۔ تیلی، رنگریز، دھنئے وغیرہ کو محض اس بنا پر ذلیل سمجھنا کہ ان کا پیشہ ذلیل ہے یا مسلمان بھنگیوں کو اس بنا پر مسجدوں سے روکنا کہ ان کا پیشہ مذموم ہے ایک ایسا شرمناک اور افسوسناک جذبہ ہے جو کم از کم مسلمان میں تو ہو نہیں سکتا۔

صنف نازک کی بلندی

اسی طرح عورت کے حقوق کی اسلام نے جس قدر حمایت کی ہے اور عورت کو جتنا بلند کیا ہے اس کی مثال بھی دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ تم سمجھتے ہو یورپ نے عورت کو بہت بلند کیا ہے کیونکہ تم نے اکثر یوروپین لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنی لیڈی کو دائیں طرف بٹھا کر گاڑی میں نکلا کرتے ہیں۔ تم یہ سمجھ گئے کہ یورپ میں عورت کے حقوق بہت زیادہ ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام نے عورت کو جو حق اور جو عزت عطا کی ہے اس کی تو یورپ کو ابھی ہوا بھی نہیں لگی۔ دائیں طرف بٹھا کر گاڑی میں نکل جانا بھی کوئی بڑی عزت ہے۔

مجھے بتاؤ یورپ میں عورت کو اس کے خاوند یا باپ بھائی اور اولاد کے مال میں سے ورثہ کیا ملتا ہے؟ یورپ میں عورت کی پرورش کیا ہے؟ عورت اپنے نام سے بنک میں روپیہ جمع کرا سکتی ہے؟ عورت کے وہ کونسے حقوق ہیں جو شوہر کے ذمہ واجب الادا ہیں؟ اسلام نے عورت کے جو حقوق تجویز کئے ہیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے صرف ایک ہی آیت سناتا ہوں سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں:۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف[1] — جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

آج مہذب دنیا کا قانون آپ کے سامنے ہے۔ آپ مہربانی فرما کر کوئی قانون ایسا جامع بتا سکتے ہیں جس میں عورت کے حقوق کو اس جامعیت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہو یورپ تو اب غور کر رہا ہے کہ عورت اپنے نام سے بنک میں روپیہ جمع کرائے یا نہ کرائے لیکن اسلام عورت کے حقوق مردوں کے قریب قریب بتاتا ہے۔ آج سب سے زیادہ افسوس اسلام کے ماننے والوں پر ہے یہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں لیکن عورتوں کے حقوق کو اس طرح پامال کر رہے ہیں کہ ان کی ان حرکات پر کفر بھی خندہ زن ہے۔

صاحبو! آج کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں جن کے خاوند طلاق دیتے ہیں نہ ان کو روٹی کپڑا دیتے ہیں بلکہ طلاق کا مطالبہ کرو تو کہتے ہیں ہم سڑا سڑا کر ماریں گے جس اسلام نے کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا ہو۔

فامساک بمعروف او[2] — یا تو بھلے مانسوں کی طرح گھر بساؤ یا شریف

---

[1] اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق ۱۲
[2] اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے ۱۲۔

تسابیح یا حسان۔ آدمیوں کی طرح ان کو چھوڑ دو۔

اس اسلام کے نام لیواؤں کا عورتوں پر یہ ظلم کیا قابل شرم نہیں ہے۔

دہلی والے ایک مثل

کنواری کھائے روٹیاں بیاہی کھائے بوٹیاں

کہا کرتے ہیں۔

کنواری لڑکی تو روٹی ہی کھاتی ہے لیکن بیاہی لڑکی کو اگر ماں باپ کے گھر بیٹھنا پڑے تو وہ بوٹیاں کھاتی ہے آپ سمجھتے رہیں بیاہی بیٹی کو گھر میں بٹھانا کیا آسان ہے؟ خدا برے لڑکوں سے پالا نہ ڈالے۔ کتنی لڑکیاں ہیں جو نالائق خاوندوں کے ہاتھوں دق کے مرض میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اتر چکی ہیں بیچارے ماں باپ آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں لیکن کیا کریں داماد نالائق ہو تو کر بھی کیا سکتے ہیں کیونکہ آج ہم کو یہ معلوم ہے کہ انگریزی قانون میں عورت کو طلاق نہیں دلائی جا سکتی اسلئے ہم شریعت کی پروا نہیں کرتے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں انگریزی قانون تو چند روزہ ہے خدا جانے یہ قانون کب تک رہنا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون تو قیامت تک رہنے والا ہے۔ تم انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے مقابلہ میں خدائی قانون کو ٹھکرا رہے ہو میں تم کو بتانا چاہتا ہوں قیامت میں انگریزی قانون تم کو دوزخ سے نہ بچا سکے گا۔ قیامت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی کام آئیگی۔ اگر قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے دریافت کیا کہ میں نے نوع انسان میں مساوات قائم کر کے آیا تھا لیکن تم نے پست اقوام کو ذلیل سمجھا میں نے تم کو حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق پر خاص توجہ دلائی تھی۔ لیکن تم نے ان پر ظلم کیا۔ تو کیوں صاحب آپ کے پاس کیا جواب ہو گا؟

معجزات کی بحث

صاحبو! گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ عرب کی قوم تو ایسی جاہل تھی جو سوائے اونٹ کا گوشت کھانے اور بکریوں کا دودھ پینے کے کچھ جانتی ہی نہیں اور پیغمبر ایسا اولوالعزم جو علوم اولین و آخرین کا مالک۔ قوم نہ توحید سے واقف نہ قیامت سے آگاہ نہ ملائکہ سے واقف نہ حشر و نشر اور عالم برزخ سے خبردار بتوں کا پوجنا اور اس دنیا کی زندگی کو آخری زندگی سمجھنا اس کا مبلغ علم و عمل۔ اور رسول ایسا ذی مرتبہ کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی[1] اس کا طغرائے امتیاز، نبی ایسا جو جملہ انبیا علیہم السلام کے کمالات کی تکمیل کرنیوالا، پیغامبر ایسا جو اللہ کا آخری پیغام!

مکان کے کونے کا آخری پتھر

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدس کو ایک مثال میں سمجھایا ہے مثال کیا ہے۔ سبحان اللہ! اس میں اپنے آخری پیغام ہونے کی طرف بھی تصریح کی ہے اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے لئے اپنی ذات کو موقوف علیہ ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ دیکھئے میں نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام ہیں۔ آپ کے بعد کاذب اور دجال تو آئیں گے لیکن کوئی نبی بحیثیت نبی کے نہیں آئیگا دوسری بات میں نے یہ عرض کی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا کمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر موقوف تھا یہ امر تو مسلمہ ہے کہ وہ تمام کمالات جو فرداً فرداً انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے گئے تھے وہ سب کے سب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے تھے۔

---

[1] آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا ۱۲

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اگر آپ ذرا تعمق نظر سے کام لیں تو قرآن شریف نے بھی اسی مضمون کو ظاہر کیا ہے بلکہ شاعر کا مضمون قرآن پاک کی ہی ایک آیت سے ماخوذ ہے۔

ماخوذ پر ایک لطیفہ ماخوذ کے معنی ہیں اخذ کیا گیا۔ لیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ شاعر نے قرآن شریف کی ایک آیت سے شعر مذکورہ بالا کا مضمون حاصل کیا ہے۔ مجھے اس ماخوذ پر ایک لطیفہ یاد آگیا بعض جرائد یا رسائل جب کسی مضمون کو دوسری جگہ سے نقل کرتے ہیں تو نیچے بریکٹ میں لکھ دیا کرتے ہیں۔ (ماخوذ) ایک صاحب ایک رسالہ میں اسی قسم کا مضمون پڑھ رہے تھے جب مضمون ختم کر چکے تو سمجھے ماخوذ کسی رسالہ یا اخبار کا نام ہے یہ مضمون پڑھ کر کہنے لگے یہ ماخوذ کونسا اخبار ہے۔ اس نے بڑا اچھا مضمون لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا اس نام کا تو کوئی رسالہ یا اخبار نہیں سنا۔ فرمانے لگے نہیں جناب میں نے رسالہ میں پڑھا ہے۔ وہ مضمون ماخوذ سے لیا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا صاحب وہ رسالہ مجھے دکھائیے۔ یہ جناب جلدی سے گئے اور ایک رسالہ اٹھا لائے۔ میں نے دیکھا کہ سیرت کے متعلق ایک مضمون تھا۔ اس کے نیچے ماخوذ لکھا تھا۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ ماخوذ کسی رسالہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مضمون اخذ کیا گیا ہے یعنی ایڈیٹر کا اپنا نہیں ہے۔ بلکہ کہیں سے نقل کیا گیا ہے۔ اکثر ایڈیٹر اس قسم کی اخلاقی کمزوری کا اظہار کیا کرتے ہیں کہ دوسرے رسالے یا اخبار سے مضمون بھی نقل کر لیتے ہیں اور اس کا نام بھی ظاہر کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ تو وہ بجائے منقول عنہ کا نام لکھنے کے ماخوذ لکھ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ اردو داں حضرات یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شاید کسی اخبار یا رسالے کا نام ہے۔ اس قسم کی

غلطیاں از دو ان اصحاب سے اکثر ہو جایا کرتی ہیں، بالخصوص یہ جاہل واعظ تو اس معاملہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب کا قصہ ایک مولوی صاحب ہمارے یہاں دہلی میں آیا کرتے تھے، گانا بہت اچھا جانتے تھے جھوٹی روایتیں ان کو بیشمار یاد تھیں، سامعین کو ہنسانے اور رلانے میں بھی کمال رکھتے تھے، چونکہ گاتے بہت اچھا تھے اس لئے جاہل انکو بہت بڑا مولوی سمجھتے تھے وہ اپنے جھوٹے قصے بیان کرکے کہا کرتے تھے یہ واقعات امام نودی نے اپنی مسلم شریف میں بیان کئے ہیں۔ نودی دال سے بروزن بودی کہا کرتے تھے اور صحیح مسلم کی نسبت امام نودی کی جانب کردیا کرتے تھے ایسے ہی ایک صاحب اور تھے وہ بھی بڑے قصاص اور کذاب تھے وہ کہا کرتے تھے سورۂ مثنوی شریف میں وارد ہے۔ یعنے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کو قرآن کی سورہ سمجھتے تھے۔ باندے کے ضلع میں ایک جاہل واعظ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو دونوں ٹکڑے آسمان سے اتر کر حضور کے گریبان میں داخل ہوئے ایک ٹکڑا ایک آستین سے نکل گیا اور دوسرا دوسری آستین سے نکل گیا۔ اس واقعہ کو اس کمبخت نے قرآن میں بتایا۔ ایک صاحب نے کہا قرآن میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دنیا میں بھیجا ہے ایک جاہل میلاد خواں نے اپنے میلاد میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں بیان کیا کہ حضور جب معراج میں تشریف لے گئے تو عرش پر چڑھنے میں بڑی دشواری ہوئی حضور نے بہت کوشش کی مگر معاذ اللہ ناکام رہے جب حضرت پیران پیر نے آپ کو کندھے کا سہارا دیا تو

آپ ان کے کندھے پر سوار ہو کر عرش پر چڑھ گئے اور اس جاہل نے اس واقعہ کو بیان کر کے کہا کہ یہ حدیث بخاری شریف میں آئی ہے غرض یہ ہے کہ لاڈدودان حضرات سے اس قسم کی غلطیاں اکثر ہو جایا کرتی ہیں۔

قرآن شریف کی آیت میرا مطلب یہ تھا کہ شاعر نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کی آیت سے اخذ کیا ہے۔ یہ مضمون کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرداً فرداً جو اوصاف تھے وہ تمامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے، ساتویں پارے میں مذکور ہے واذا سمعوا میں ارشاد ہوتا ہے۔ کلا ھدینا ونوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمن وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون پوری آیت پڑھ لیجئے اس آیت میں سترہ یا اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر ہے، ان سب کا ذکر کرتے کے بعد فرماتے ہیں اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدھم اقتدہ[1] یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے اوصاف کمالیہ کیساتھ متصف کیا تھا اے ہمارے رسول آپ بھی ان انبیاء مذکورہ کے اوصاف کمالات کی پیروی کیجئے۔ لفظ اقتدا میں کس قدر خوبیاں مضمر ہیں ممکن ہے کہ آپ میں سے کوئی یہ کہے کہ انبیاء مقتدا ہوئے اور آپ مقتدی ہوئے لیکن میں عرض کرونگا بحث اس میں نہیں ہے بلکہ یہ بتاؤ کہ مقتد اور مقتدی میں اتحاد وصفی ہے یا نہیں۔ ایک مقتدی کسی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑا ہو اور آپ اس سے کہیں کہ جو امام کرے وہ تم بھی کرنا اور وہ مقتدی آپکے کہنے پر عمل کرے یعنی امام رکوع کرے تو وہ بھی رکوع کرے، امام سجدہ کرے تو وہ بھی سجدہ کرے تو اب مقتدی کی نماز اور مقتدا کی نماز میں اتحاد وصفی ہے یا نہیں کیا آپ مقتدی اور مقتدا کی نماز میں یا اعمال نماز میں کوئی فرق کر سکتے ہیں؟ اگر بیا

---

[1] یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر ۱۲

یہ کہوں کہ مقتدا کی نماز میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ مقتدی کی نماز میں بھی ہے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ کیونکہ مقتدا اور مقتدی کے اعمال میں وحدت تو یقیناً ہے جب آپنے اس مثال کو سمجھ لیا تو اب قرآن کی آیت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور انکو اوصاف نبوت اور اعلیٰ ترین کمالات عطا کئے تھے۔ آپ بھی ان کی اقتداء کیجئے۔ جب حضور کو اقتدار کا حکم ہوا تو آپ نے اس حکم کی یقیناً تعمیل فرمائی ہوگی۔ یہ تو نا ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حق کے حکم کی خلاف ورزی کریں۔ جب آپ نے اقتدار کی تو وہ تمام باتیں جو انبیاء سابقین میں خدا تعالیٰ نے رکھی تھیں اور جن مناصب علیا اور مراتب حسنیٰ سے ان کو نوازا تھا وہ تمام خوبیاں اور وہ تمام اوصاف کمالیہ ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہونے چاہئیں اگرچہ اقتداء ہی سہی۔ اس تقریر سے میرا مدعا ثابت ہوگیا کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حضرت حق نے جو اوصاف عطا فرمائے تھے وہ تمام کے تمام حضور میں جمع کر دئے گئے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مہربانی فرما کر کوئی صاحب یہ شبہ بھی نہ کریں کہ آیت میں صرف اٹھارہ پیغمبروں کا نام ہے اور دعویٰ عام ہے یعنی دعویٰ تو عام ہے اور دلیل خاص ہے۔ میں عرض کروں گا اول تو جن پیغمبروں کا نام ہے انکے نام سن لیجئے میں پوری آیت پڑھ دوں ومن ذریته داؤد وسلیمٰن وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک نجزی المحسنین وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصلحین واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا حضرت اسحاق اور یعقوب اور حضرت نوح کا نام اوپر گزر چکا، یہ تقریباً سترہ یا اٹھارہ نام ہیں جو ایک ہی رکوع میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اب بتایئے بچا کون؟ اولوالعزم

پیغمبروں کے تو نام آ ہی گئے اچھا اور آگے بڑھئے ومن اٰبائہم وذریٰتہم
واخوانہم اب فرمایئے کونسا پیغمبر باقی رہا؟ پھر اسی آیت کے آخری
حصہ میں یہ بھی فرمایا ہے:۔ ولو اشرکوا لحبط عنہم ما کانوا یعملون[1]
یعنی اگر یہ پیغمبر شرک کرتے (معاذ اللہ) تو ان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے
شرک پر حبط اعمال کا پیغام ایسا پیغام ہے کہ اس میں تمام انبیاء علیہم السلام
شریک ہیں اسی پیغام کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور یہ بات کہ یہ پیغام
تمام انبیاء کو دیا گیا ہے سورۂ زمر کی اس آیت سے ثابت ہے:۔
ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن[2]
عملک ولتکونن من الخسرین۔ ہم آپ کو اور آپ سے پہلے دوسرے
تمام نبیوں کو یہ پیغام دے چکے ہیں کہ اگر آپ نے خدانخواستہ بفرض
محال ہمارے ساتھ شرک کیا تو ہم آپ کے تمام اعمال ضائع کر دیں گے
اور آپ کو خاسرین اور زیاں کاروں میں شامل کر دینگے ان دونوں
آیتوں کو (ولو اشرکوا اور ولقد اوحی الیک) ملانے سے معلوم ہوتا
ہے کہ واذا سمعوا میں تمام انبیاء مراد ہیں۔ اور تمام انبیاء کی اقتداء کا
حکم ہے اور اقتداء کے بعد نتیجہ صاف ہے کہ جن کمالات ہدایت سے وہ
تمام انبیاء علیحدہ علیحدہ متصف تھے ان تمام کمالات سے سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مجموعی متصف تھے۔ وھو المقصود اور یہی شاعر
نے اپنے شعر میں ظاہر کیا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسٰی ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

[1] اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ [2] اور حکم ہو چکا ہے تجھکو اور تجھ سے اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت جائینگے تیرے عمل اور تو ہوگا ٹوٹے میں پڑا۔

ایک مشہور وصف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات و اوصاف کا حصر کرنا تو مشکل ہے لیکن ایک مشہور وصف جو جملہ انبیاء میں مشترک ہے وہ خدمت خلق ہے اور یہ خدمت محض اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہے وہ مخلوق سے اس خدمت پر کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتے۔ ہر پیغمبر نے اپنی ابتدائی تقریر میں اس امر کا اعلان کیا ہے۔ وما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی اللہ میں تم سے اس خدمت پر کوئی اجر یا مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اسی وصف خاص کی طرف اللہ تعالیٰ نے آگے کی آیت میں ارشاد فرمایا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا اے ہمارے پیغمبر آپ ان تمام لوگوں کے اوصاف کمالیہ کی اقتدا کیجئے جو آپ سے پیشتر گذر چکے ہیں اور اس امر کا اعلان کر دیجئے کہ میں تم سے اپنی خدمت کا صلہ طلب نہیں کرتا جس طرح اور تمام انبیاء خدا کے واسطے خدمت کرتے تھے اسی طرح میں بھی خدا کے واسطے تمہاری خدمت کرتا ہوں۔

ملت ابراہیمی کا اتباع جس طرح و اذا سمعوا میں جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کا حکم دیا ہے اسی طرح سورہ نحل کے آخر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراہیم حنیفا حضرت خلیل کی ملت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت کی یگانگت و مماثلت تو ایسی مشہور ہے کہ اس سے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ الفاظ اتباع کے ہوں یا اقتداء کے مطلب یہی ہے کہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونا چاہئے جو انبیائے سابقین کو فرداً فرداً عطا

---

۱ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا۔

کہتے گئے تھے۔

اقتدا اور اتباع رہی یہ بات کہ اس تقدیر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اقتداء اور اتباع لازم آتی ہے، جو شخص مقتداء اور متبوع ہو اسکو مقتدی اور تابع بتانا اس کے رتبہ کو کم کرنا ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جملہ صفات نبوت و ہدایت سے متصف تسلیم کرنے کے بعد اسکا جواب کچھ مشکل نہیں ہے یہ الفاظ تو محض تاخر زمانی کی بنا پر استعمال کیے گئے ہیں۔

صاحبو! یہ تو حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ دوسرے نبیوں کے بعد ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کے بعد آپ کا تشریف لانا بعدیت زمانی کو مستلزم ہے۔ اگرچہ باعتبار وجود اور باعتبار نامزدگی آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر اولیت و اولویت حاصل ہے جیسا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اول ماخلق اللہ نوری — سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے

جس طرح آپ کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اسی طرح آپ کی نامزدگی اور آپ کی نبوت کو بھی اولیت حاصل ہے۔

کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین۔ — آدمؑ کے پتلے میں ابھی روح پھونکی بھی نہ گئی تھی کہ مجھکو نبی بنا دیا گیا تھا۔

لیکن باعتبار بعثت آپکو سب سے آخر میں بھیجا گیا ہے اور آپ کا زمانہ یقیناً دوسرے انبیاء کے بعد ہے اور اسی کو بعدیت زمانی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اور آپ کی بعثت آخر میں ہے اور دوسرے پیغمبر آپ سے باعتبار بعثت کے مقدم ہیں اس واسطے آپ کے لئے اقتداء اور اتباع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ورنہ مقتداء اور متبوع، مقتدی اور تابع کیسے ہو سکتا ہے۔

نیز ان الفاظ کے استعمال کرنے میں ان معترضین کا بھی جواب

دوسرا نکتہ ہے جو آپ پر ایک نئے دین کا الزام لگاتے تھے اور آپکی شریعت کو انبیاء سابقین کے شرائع ملل کے خلاف بتاتے تھے۔ اور دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقیدہ پر ہم لوگ ہیں۔ یہ بھی تو ان کا مخالف ہے اور بالکل نئے دین کی بنیاد ڈال کر اس بہانہ سے عرب کا بادشاہ یا لیڈر بننا چاہتا ہے۔ اور بھی اسی قسم کی خرافات صبح سے شام تک بکتے رہتے تھے۔ انبیاء سابقین کا نام اہل کتاب عزت سے لیتے تھے اور حضرت ابراہیم ؑ کا نام اہل عرب بڑے ادب سے لیتے تھے لیکن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور آپکی بعثت کے انکار میں سب برابر تھے اور آپ کی مقدس ذات پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے آپ مخالف ہیں۔ وہ تو بڑا اچھا آدمی تھا لیکن آپ تو اس کی مخالفت میں نیا دین لیکر آئے ہیں ہم آپ کو کیسے مان لیں۔ اہل کتاب کہتے تھے۔ انبیاء سابقین سب سچے تھے لیکن تم ان سے کیا تعلق، تم تو ان کے مخالف ہو۔ اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا تھا کہ تم اپنا تعلق ان سے ظاہر کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کر دو کہ میری ملت اور میرا دین کوئی نئی ملت اور نیا دین نہیں ہے بلکہ میں تو وہی کہتا ہوں جو وہ کہا کرتے تھے۔ اسی مضمون کو مختلف الفاظ میں بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمایا ہے مثلاً فرماتے ہیں۔ ملۃ ابیکم ابراہیم[1]۔ میری ملت تو وہی ملت ابراہیمی ہے۔ سورۂ احقاف میں فرماتے ہیں:۔

مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا — میں کوئی دنیا سے انوکھا رسول نہیں ہوں مجھے نہیں معلوم

أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ[2] — کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے اور تمہارے ساتھ کیا ہو

---

[1] دین تمہارے باپ ابراہیم ؑ کا۔ [2] میں کچھ نیا رسول نہیں آیا اور مجھکو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے۔

تیسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے :۔

[له] ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین اٰمنوا۔

ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے بڑی مناسبت ان لوگوں کو ہے جو ان کے سچے پیرو ہیں اور اس نبی کو اور مسلمانوں کو حضرت ابراہیم کیساتھ مناسبت ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

[۲] ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین۔

کفار مکہ اور اہل کتاب حضرت ابراہیم سے اپنا غلط جوڑ لگا رہے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے نہ نصرانی اور نہ وہ مشرک تھے بلکہ وہ تو مسلمان تھے اور ان تمام خرافات سے علیحدہ رہتے تھے۔

جب ان کا مذہب بھی اسلام تھا تو ان سے کون قریب ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کفار مکہ اور اہل کتاب؟ اسی مضمون کو ایک اور عنوان سے حضرت حق نے والمحصنت میں ذکر کیا ہے :۔

[۳] ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔

اس سے اچھا اور بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس کا مذہب اسلام اور احسان ہو اور وہ ملت ابراہیمی کا پیرو ہو۔

کیوں صاحب اب تو آپ کی سمجھ میں اقتدا اور اتباع کا مطلب آگیا۔ اب

له لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم ع سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو جو ایمان لائے اس نبی پر ۔ ۲ نہ تھا ابراہیم ع یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنے سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا مشرک ۔ ۳ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک ہی طرف کا تھا۔

آئیے اس پہلی بات پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ اس مثال سے میرا مدعا نہایت صاف طور پر آپکی سمجھ میں آجائے گا۔

ختم نبوت کی تمثیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکان بنایا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص مکان کو دیکھتا تو اس کی تعریف کرتا ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر یہ خواہش کرتا ہے کہ یہاں اینٹ ہوتی تو کیا اچھا ہوتا سرکار نے فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے جس اینٹ کی جگہ خالی تھی وہ میرے آجانے کے بعد پُر ہوگئی۔ اب اگر کوئی کاذب نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کو صاف جواب دیدینا چاہئیے کہ قصر نبوت کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اب اس میں کسی اینٹ کی جگہ تو کیا ہوگی کسی روڑے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ اگر کسی خبیث النفس انسان کو اس قسم کا شوق پیدا ہو جائے اور وہ نبوت کا دروازہ کھولنا چاہتے تو اسکو قصر نبوت کی اس روشن مثال سے مایوس کر دینا چاہئیے اس مثال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن میں نے تو ایک دوسری بات عرض کی تھی اور وہ یہ ہے کہ جس طرح اس مثال سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ تمام انبیائے سابقین کا کمال حضور انور کی ذات مقدس پر موقوف تھا اگر حضور تشریف نہ لاتے تو قصر نبوت میں ایک ایسی کمی رہتی جس کی تلافی ناممکن تھی۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جبتک مکان میں آخری اینٹ نہیں لگائی گئی تھی مکان کامل تھا یا ناقص۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس آخری اینٹ پر پورے مکان کی تکمیل موقوف تھی۔ نام کو تو یہ آخری اینٹ ایک ہے لیکن ایسی

اینٹ ہے کہ تمام اینٹوں کا کمال اسی ایک اینٹ کے ساتھ وابستہ ہے سبحان اللہ
کیا مثال بیان فرمائی ہے قربان جائیے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے
گویا مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہر ایک اینٹ اپنی جگہ کامل ہے اس میں کوئی
نقص نہیں ہے لیکن بحیثیت اس کے کہ وہ اینٹ قصر نمونہ کا ایک
جز ہے اپنے کمال میں ناقص ہے اس کا کمال اس آخری اینٹ پر موقوف
ہے جس کے نہ ہونے سے تمام قصر ناقص ہے میں نے آپ سے دو باتیں
عرض کی تھیں ایک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم المرسلین اور آخری
نبی ہونا اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کا کمال آپ کی ذات پر موقوف
ہونا اور یہ دونوں باتیں اس تمثیل سے صاف ہوگئیں جو خود نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے متعلق بیان فرمائی ہے۔

حضرت عیسیٰ کی تمثیل

اس آخری اینٹ کے متعلق سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا جس پتھر کو معماروں نے
رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال میں بھی سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی طرف اشارہ ہے کونے کا
سرا اور مکان کی آخری اینٹ ایک ہی چیز ہے۔

بہر حال ذکر تو یہ ہو رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور مقدس
زندگی تمام کی تمام اعجاز ہی اعجاز ہے۔ ایسے اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر کو ایسی
قوم عطا ہوئی جو خدا کی ذات و صفات سے نا آشنا حشر و نشر سے بیگانہ دوزخ
و جنت سے ناواقف ایسی قوم کو شریعت مطہرہ کی تعلیم دینا کوئی آسان کام تھا، میں
آپ سے دریافت کرتا ہوں آج ایک بہت بڑے عالم کو چار سال کا بچہ
حوالے کر کے اس عالم سے کہیے کہ اس چار سالہ بچے کو بخاری شریف پڑھا دیجیے

یا بیضاوی شریف کا درس دیدیجئے یا امورعامہ پڑھا دیجئے، یا اقلیدس کی شکلیں سمجھا دیجئے یا تصریح اور شرح چغمینی کی تعلیم دیدیجئے۔ آپ بڑے سے بڑے عالم کا نام لیجئے اول تو اس دور قحط الرجال میں علماء کا فقدان ہی ہے لیکن پھر بھی جو حضرات موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی صاحب قبلہ، مولانا حسین احمد صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ، مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا معین الدین اجمیری، یہی دس بیس آدمی ہیں جن کا نام لوگوں کی زبان پر ہے جب کبھی اہل علم کا ذکر آتا ہے تو یہی حضرات ہیں جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں۔

مولانا سید انور شاہ ہماری بدقسمتی سے حضرت شاہ صاحب کا تو انتقال ہی ہو گیا۔ ان کے تبحر علمی کا تو کہنا ہی کیا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یگانۂ روزگار تھے۔ اور حضرات باکمال بھی موجود ہیں، ان میں سے کسی صاحب کو خدمت سپرد کر کے دیکھیے۔ ہمارے مفتی صاحب کو لیجئے جن کی ذہانت اور فقاہت ضرب المثل ہے۔ اگر میرا تجربہ غلط نہیں ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ کم و بیش پچاس ہزار فقہ کی جزئیات تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کو زبانی یاد ہوں گی، یعنی اگر آپ پچاس ہزار مختلف فتوے ایک وقت میں ان کے سامنے پیش کر دیں تو وہ بدون کتاب دیکھے ہوئے خدا کے فضل و کرم سے لکھ دیں گے۔ ذہانت کا یہ عالم ہے کہ آپ کوئی مشکل سے مشکل شبہ حضرت قبلہ کے سامنے پیش کیجئے، بس ایک دو دفعہ اس کو ریپیٹ کریں گے ہاں تو مولوی صاحب آپ کا یہ مطلب ہے، دو تین مرتبہ اس شبہ کو دوہرایا اور لپیٹ لپاٹ کر رکھ دیا۔ شبہ کرنیوالا دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حضرت نے کیا جواب دیا۔ جواب اتنا معقول اور مسکت کہ جواب پر کسی شبہ کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی۔ آپ حضرت

مفتی صاحب قبلہ کو چار یا پانچ سال کا بچہ دیکر فرمائش کیجئے کہ صدرا یا
شمس بازغہ پڑھا دیجئے، دیکھئے مفتی صاحب آپ کو کیا جواب دیتے ہیں اگرچہ
مفتی صاحب قبلہ کو چالیس سال تعلیم دیتے ہوئے ہوچکے ہیں لیکن ایک
چار سال کے بچے کو وہ بخاری یا توضیح وتلویح کس طرح پڑھا سکتے ہیں۔

اہلِ عرب کی اصلاح صاحبو! جس طرح ایک عالم متبحر کیلئے یہ مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ وہ چھوٹے سے بچے کو درسیات
مروجہ پڑھا سکے اس سے کہیں زیادہ یہ مشکل بلکہ اصعب ہے کہ عالم علوم
اولین وآخرین عرب کے بدوؤں کو انبیاء علیہم السلام کی مقدس تعلیم سے
روشناس کردے آپ اس کام کو مذاق یا دل لگی سمجھتے ہیں کہ عرب کی ایک جاہل
اور تمدن وتہذیب سے دور افتادہ قوم کو قلیل مدت میں دنیا وآخرت کے انتہائی
رموز ومعارف سے آگاہ کردیا جائے۔ ایک بت پرست قوم کو بت شکن بنادینا
کیا آپ کے نزدیک یہ اعجاز نہیں ہے آخر معجزہ کس کو کہتے ہیں کیا دنیا کی
پست ترین قوم کو ایک قلیل مدت میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچا دینا اور ناشناس
فطرت کو آشنائے ذات وصفات بنادینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ
نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی جاہل قوم کو جس طرح تعلیم دی
ہے اور جن جن تمثیلات کے ساتھ سمجھایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس قوم کی ذہنیت کا اندازہ لگایا تھا۔

صاحبو! خدا جانتا ہے اس طریقہ تعلیم کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے میری
تو سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سرکار نے کیونکر اس قوم کو آدمیت کی راہ دکھائی۔
اور ایسی بگڑی ہوئی قوم کو کس طرح اتنا اونچا کیا۔ ایک بدوی قوم کو جو اونٹ
چرا کر اور بکریوں کا دودھ پی کر اپنی زندگی بسر کرتی ہو اسکو رسالت ونبوت کے

رموز سے آگاہ کر دیا اور عالم برزخ کی جزئیات سے آشنا بنا دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیاب زندگی کا ایک ایسا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال اولوالعزم پیغمبر کی زندگی میں نہیں ملتی چہ جائیکہ حکماء اور فلاسفہ کی تاریخ میں۔

انبیاء سابقین کا تذکرہ

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام جن کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور جن کے زمانۂ تبلیغ کی مدت سب نبیوں سے زیادہ ہے۔ قرآن پاک نے انکے زمانۂ تبلیغ کی مدت کو۔

فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاماً۔ — حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔

سے تعبیر کیا ہے اتنی بڑی مدت میں انتی بابیا سے انسانوں کی اصلاح کا پتہ چلتا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کنٹرول یقیناً ایک بہت بڑی قوم پر تھا اور انہوں نے ایک بہت بڑی آبادی کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرایا تھا اور مصر کی سلطنت کا مالک بنا دیا تھا۔

فاخرجنھم من جنٰت و عیون وکنوز ومقام کریم کذالک واورثنھا بنی اسراعیل۔ — ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو مصر کے باغ اور بہتے ہوئے چشمے اور خزانوں اور بہترین آرام و آسائش کے مقامات سے نکال دیا اور ان کی جگہ بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

ان تمام نعمتوں سے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت فائز ہوئے لیکن باوجود ان تمام احسانات کے ایک نازک ترین موقع پر حضرت کلیم کو اس قوم نے صاف جواب دیدیا اور ایسے موقع پر جبکہ قوم کی زندگی اور موت کا

لہ پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس کم۔ ٹہ پھر نکال باہر کیا ہم نے انکو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کے۔

سوال تھا انہوں نے نہایت طوطا چشمی کے ساتھ کہدیا۔

فاذھب انت وربک فقاتلا[1] اے موسیٰ آپ اور آپ کا رب دونوں جاکر اس قوم

انا ھٰھنا قاعدون۔ کو سر کریں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔

بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی تو مشہور ہے چند دن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے آپ کی غیبت میں آپ کی قوم نے سامری کی ترغیب سے ایک بچھڑے کی پوجا شروع کردی اور ایک ایسا فتنہ برپا کردیا جو بڑی مشکل سے حضرت موسیٰ ؑ کی واپسی کے بعد فرو ہوا اور جب تک حضرت کلیم نے اس گوسالہ کو پھونک کر اس کے ذروں کو دریا میں نہ بہادیا اور سامری کو خارج البلد نہ کردیا یہ خوفناک فتنہ قبضہ میں نہیں آیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل جب دریا سے پار ہوئے اور فرعون سے نجات ملی تو انہوں نے دریا سے پار ہوتے ہی ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ ؑ سے کہا۔

اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ[2] اے موسیٰ ؑ ہمارے لئے بھی ایسے معبود بنادیجئے جیسے اس قوم کے معبود

حضرت موسیٰ ؑ کو اس خواہش پر سخت رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان کے بعد بنی اسرائیل کی یہ تمنا اس قدر لغو تھی کہ اس پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے حضرت موسیٰ ؑ نے افسوس کے لہجہ میں فرمایا۔

انکم قوم تجھلون۔ تم بہت ہی جاہل اور بیوقوف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر کس قدر احسان فرمایا اور تم اس کے ساتھ شرک کرنا چاہتے ہو اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوسکتی ہے۔

---

[1] سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ [2] بنادے ہماری عبادت کے لئے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں۔

حضرت علی اور ایک یہودی کی گفتگو بعض سیر کی کتب میں نظر سے گذرا ہے کہ ایک یہودی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا، تمہارے پیغمبر کی وفات کو تیس سال بھی نہیں گزرے کہ تم میں تلوار چل گئی اور تم ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے تو دریا سے پار ہوتے ہی جبکہ تمہارے تلوے بھی خشک نہ ہوئے تھے اپنے پیغمبر سے بت پرستی کی خواہش کی تھی۔ تمہارا کیا منہ ہے جو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہو۔ تمہارے پاؤں میں تو سمندر کی نمی باقی تھی اور تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ اجعل لنا الٰھا کما لہم الھۃ۔

اسی سلسلہ میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی قوم کا حال بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ ایک صاحب کے تو حواریوں نے چند پیسوں کی خاطر (تیس درہم) اپنے استاد کو گرفتار کرا دیا۔ دوسرے صاحب کے بھائیوں نے چند کھوٹے درہم کے عوض بھائی کے کوڑے کر ڈالے۔

وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گنتی کے چند دراہم کے بدلے فروخت کر دیا۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنے شاگردوں کو مطلع بھی کرتے رہے کہ مرغ کی اذان سے پہلے پہلے میرے ساتھ غداری اور بیوفائی کرنیوالے ہو۔ یہ بے وفا شاگرد قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے رہے اور آخر وہی ہوا جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ حضرات! میرا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں روحانیت نہ تھی یا معاذ اللہ

لہ اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں۔

ان کی نبوت ناقص تھی بلکہ وہ سب کے سب نبی تھے ان سب کو روحانیت عطا کی گئی تھی۔ لانفرق بین احد من رسلہ ہم رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔[1]

البتہ یہ ضرور ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیائے سابقین پر ایک خاص فضیلت حاصل ہے اور اس قسم کی فضیلت کا اظہار تفریق بین الرسل کو مستلزم نہیں ہے بلکہ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس سال میں جو اصلاحی کام کیا ہے وہ دوسروں سے عرصہ ہائے دراز میں بھی نہیں ہو سکا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مدت میں شیطان کو ہمیشہ کے لئے ناامید کر دیا اور فرما بھی دیا کہ حجاز مقدس میں اصنام پرستی سے شیطان ناامید ہو گیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تمہارے مرتد ہونیکا خطرہ نہیں ہے۔ البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ میری امت دنیا کے آرام و آسائش میں مبتلا ہو جائیگی۔ پس حضور نے تھوڑی سی مدت میں جو کامیابی حاصل کی وہ انبیاء سابقین کو حاصل نہ ہوئی اور یہ آپ ہی کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی کامیاب محنت کے بعد اعلان کر دیا گیا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا اور اس اتمام نعمت اور اکمال دین ہی کا دوسرا نام ختم نبوت ہے۔ یہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اور آپکی کامیابی کا اعتراف ہے کہ آپکی تشریف آوری کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اب اگر کوئی شخص آپکے بعد کسی نئی نبوت کا تصور کرتا ہے خواہ وہ ظلی اور بروزی ہو یا حقیقی اور عینی ہو اس سے زیادہ کون اسلام کا دشمن اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو سکتا ہے؟

---

[1] کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں سے۔

لا تفضلونی علی یونس بن متی میری اس تقریر کے بعد غالباً وہ شبہ بھی دور ہو گیا ہو گا جو عام طور سے حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متی پر کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یونس بن متی پر مجھے فضیلت نہ دو یا ان پر میری فضیلت بیان نہ کرو۔ جس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے ہیں وہ واقعہ بھی مشہور ہے، ایک یہودی اور مسلمان کے مابین جھگڑا ہو گیا تھا۔ مسلمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر کیا کہ آپ تمام عالم سے افضل ہیں، یہودی نے کہا حضرت موسیٰ تمام عالم سے افضل ہیں۔ اس پر مسلمان کو غصہ آ گیا اگرچہ حضرت موسیٰ کی افضلیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو مستلزم نہ تھی لیکن پھر بھی ایک مخلص مسلمان سے یہ قول برداشت نہ ہو سکا اور اس نے یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ آجکل مسلمانوں میں وہ صحیح جذبہ کہاں ہے۔ آج ہم اتنے بے غیرت ہو گئے ہیں اور میاں بے غیرت کیا ایمان کی قوت اور اس کی روشنی ہی کم ہو گئی۔

حیا اور ایمان کا تعلق ایمان اور غیرت تو ایک ہی چیز ہے۔ ایمان اور حیا دونوں توام ہیں، جو بے حیا ہو گا وہ بے ایمان ہو گا۔ اسی لئے حضورؐ نے ایمان کے درجات کا ذکر کرتے ہوئے حیا کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ الایمان بضع و سبعون شعبۃ افضلہا قول لا الہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان۔

سبحان اللہ کیا خوب تشبیہ ہے۔ ایمان بمنزلہ ایک درخت کے سمجھئے اور ایمان جن خصائل حمیدہ کا نام ہے ان کو شاخیں سمجھئے۔ ان شاخوں میں سب سے اونچی اور پھلنگ کی شاخ تو لا الہ الا اللہ کا اعلان ہے اور سب سے قریب ترین شاخ اس درخت کی یہ ہے کہ راہ میں سے تکلیف کی چیز کو ہٹا دیا

جائے قریب ترین ہے کے یہ معنی کہ آسانی سے ہاتھ میں آجاتی ہے یا یہ مطلب
ہے کہ اس شاخ کے ذریعہ مقصد کو حاصل کر لینا سہل ہے۔

اماطۃ الاذیٰ کے معنی

راستہ میں سے تکلیف کی چیز کو ہٹا دینا اس
کے معنی بظاہر تو یہی ہیں کہ سڑک پر یا
گلی میں کوئی پتھر پڑا ہو یا کانٹا ہو یا کانٹے دار درخت ہو اس کو صاف کر دیا
جائے تاکہ آنے جانے والوں کو تکلیف نہ پہنچے لیکن اس اماطۃ الاذیٰ کے
ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ طریق سے مراد وصول الی اللہ کی راہ ہو اور
اس راستے کی سب سے بڑی تکلیف وہ چیز اپنے وجود اور عارضی ہستی کو سمجھا جائے
اور حدیث کا مطلب یہ ہو کہ اپنی اس عارضی زندگی اور اپنی اسی ناپائیدار
ہستی کو مٹا دیا جائے اور وصول الی الحق کی راہ سے اس روڑے کو جلد از
جلد ہٹا دیا جائے کیونکہ یہ زندگی ایک مستقل حجاب اور اٹکاؤ ہے جو لقاء الٰہی
اور وصول الی الحق سے مانع ہے۔ یہ معنی اگرچہ حضرات صوفیا سے منقول
ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ خوب معنی ہیں اس معنی کو موتوا قبل ان تموتوا کی
روشنی میں دیکھیے اور بل احیاء عند ربہم کی عینک سے ملاحظہ کیجئے تو آپ کو
معلوم ہو کہ اس معنی میں کس قدر حقائق مضمر ہیں اور جب لا الہ الا اللہ کے معنی
لا موجود الا اللہ کے بیان ہیں تو پھر اماطۃ الاذیٰ عن الطریق کے معنی
سوائے اس کے کیا ہو سکتے ہیں کہ اپنی ہستی کو مٹا کر اس راہ کو صاف کیا جائے جس
راہ کا منتہا مقصود حقیقی سے ملا ہوا ہے اور اس راہ کا نام صراط مستقیم ہے
وما من دابۃ [illegible] میں کیا خوب فرمایا ہے:۔
ان ربی علی صراط مستقیم — بیشک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔
یہی صراط مستقیم کے آخری کونے اور منتہی پر اپنا پتہ بتایا ہے وان الی ربک

المنتھی صراط مستقیم کی آخری منزل اور صراط مستقیم کا منتہا محبوب حقیقی کی فرودگاہ ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کا منہیہ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے منہیہ میں فرماتے ہیں یعنی جو سیدھی راہ چلے وہ اس سے ملے۔ دیکھا چار پانچ الفاظ میں کیا کہہ گئے۔ خدا ان کی قبر میں نور بھر دے اسے علم کہتے ہیں۔ اسلئے میں کہا کرتا ہوں کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور منہیہ دونوں الہامی ہیں بہرحال حدیث میں دونوں مرتبوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حیا ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ شخصیت کی توہین تعظیم کی ہے۔ اب تو آپکو معلوم ہوا حیا اور غیرت و شرم کا تعلق ایمان سے کتنا گہرا اور قریب ہے میں عرض کر رہا تھا آجکل کے مسلمان تو بے حیا ہو گئے ہیں لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبہ ایمان اور ان کی حیا اور غیرت اس کو کہاں برداشت کر سکتی تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دوسرے کو افضل یا برتر سن سکیں۔

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو جب اس مسلمان اور یہودی کا معاملہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے حضرت یونس پر بھی فضیلت نہ دیا کرو۔ اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو ابھی آپ سے میں نے عرض کیا کہ ایسی فضیلت جس سے دوسرے انبیاء کی توہین لازم آتی ہو نہ بیان کیا کرو جیسے آج کل بعض جہاں اور قصہ گو واعظ کیا کرتے ہیں میں نے جو آپ سے دیگر انبیاء کی روحانیت کے سلسلے میں عرض کیا تھا۔ اور حضرت نوحؑ اور سیدنا موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا تھا تو اس کا مطلب معاذ اللہ ان انبیاء کی توہین و تنقیص نہ تھی بلکہ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت جو دیگر انبیاء کی

توہین کو مستلزم نہ ہو۔ بیان کرتے ہیں مضائقہ بھی نہیں۔

انبیاء میں تفاوت

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درجات میں تفاوت ہونا تو مسلمہ امر ہے تیسرے پارے کی ابتداء میں ارشاد ہوتا ہے:

تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض۔ یہ رسولوں کا گروہ ہے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

جس طرح بعض کو بعض پر فضیلت ہے اسی طرح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر فضیلت حاصل ہے خود حدیث لاتفضلونی میں بھی ایک عمیق اشارہ موجود ہے۔ میں آپ سے ہی دریافت کرتا ہوں جھگڑا تو یہودی اور مسلمان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ کے متعلق تھا لیکن سرکار نے حضرت موسیٰ کی تعریف وتوصیف کرنے کے بعد یوں کیوں فرمایا کہ مجھے حضرت یونس پر بھی فضیلت نہ دیا کرو۔ گویا مطلب یہ ہوا حضرت موسیٰ تو اولوالعزم اور صاحب شریعت حضرات میں سے ہیں۔ مجھے تو حضرت یونس بن متی پر بھی فضیلت مت دیا کرو جو حضرت موسیٰ سے مرتبہ میں کم ہیں۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت یونس کا نام لینا ہی اس امر پر مشعر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات میں تفاوت ہے اور یہ تفاوت ایک دوسرے کی تنقیص کو مستلزم نہیں ہے۔

حضرت امام الحرمین کا واقعہ

اس سلسلہ میں حضرت امام الحرمین کا واقعہ مجھے یاد آگیا، ان کی مجلس میں ایک دفعہ ایک شخص نے دریافت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مکان ہے یا نہیں؟ وہ محدود ہے یا غیر محدود، کسی مکان کے ساتھ اس کو مختص کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حضرت امام الحرمین نے جواب دیا کہ وہ مکین نہیں ہے اور اس کو کسی مکان کے ساتھ

مختص یا کسی مکان میں محدود نہیں کر سکتے۔ سائل نے دلیل دریافت کی تو فرمایا لا تفضلونی علی یونس بن متی سائل کو حیرت ہوئی کہ اس حدیث میں مکان کا ذکر ہے نہ خدا کا اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی لامکانیت پر کس طرح استدلال ہو سکتا ہے حضرت امام الحرمین نے فرمایا کہ آج ہماری مجلس میں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جو مقروض ہیں۔ اگر کوئی صاحب دس ہزار درہم ان کی جانب سے قرض کے ادا کر دیں تو ہم اس سوال کا جواب دیدیں گے۔ چنانچہ ایک صاحب جو علم کے قدردان تھے انہوں نے قرض اپنے ذمہ لے لیا اور حضرت امام الحرمین نے اسی حدیث سے یہ ثابت کیا کہ اللہ تعالے کسی خاص مکان یا کسی خاص جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

حدیث سے استدلال حضرت امام الحرمین نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت یونس کا نام اس لئے لیا گیا ہے کہ حضرت یونس کی طرف عام طور سے ذہن منتقل ہو سکتا ہے اور یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مرتبہ نقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہو گا کیونکہ حضرت یونس ان حضرات میں سے ہیں جن کو شرف تکلم یا شرف معراج مچھلی کے پیٹ میں حاصل ہوا ہے۔ حضرت یونس کا نام ہی ذوالنون رکھدیا گیا ہے۔ قرآن میں ان کو ذوالنون فرمایا ہے۔ وَذَا النُّونِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ حضرت ذوالنون یعنی حضرت یونس کو جب یہ محسوس ہوا کہ شاید ان کی مقرر کردہ تاریخ پر عذاب نہ آئیگا تو وہ پریشانی کی

لے اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو پھر پکارا ان اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے۔

حالت میں نکلے اور ان کو یہ خیال اور وہم ہوا کہ اللہ تعالےٰ ان سے کوئی باز پرس نہ کریگا اور ان پر کسی قسم کی تنگی نہ کی جائیگی اور ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، اس خیال کی بنا پر نکل کر بھاگے لیکن وہاں مواخذہ ہوگیا۔ اور مجبوراً سمندر میں پھینکے گئے اور مچھلی نے انکو لقمہ کرلیا۔ فالتقمہ الحوت وھو ملیم[ل] مچھلی نے حضرت یونس کو نگل لیا اور حضرت یونسؑ سخت رنجیدہ تھے مچھلی اپنے پیٹ میں اس امانت الٰہی کو لیکر سمندر کی تہ میں جا پہنچی۔ حضرت یونس سخت تکلیف اور مصیبت میں تھے۔ انہوں نے سمندر کی تاریکیوں میں حضرت حق کو پکارا اور حضرت حق کی ذات ہی ہر ناامید کی آرزو اور ہر مایوس کا آخری سہارا ہے اس کو پکارا اور لا الٰہ الا انت کہہ کر پکارا حضرت یونس کی یہ پکار جو مچھلی کے پیٹ اور سمندروں کی تہ میں تھی گویا تاریکی در تاریکی سمندر کا عمق اور مچھلی کا پیٹ ذرا تصور کیجئے ظلمت بعضہا فوق بعض ان تاریکیوں میں پکارا یہ پکارنا ان کے حق میں مفید ہوا۔ بعض تفسیروں میں میری نظر سے گزرا کہ جب حضرت یونس سمندر کی تہ میں پہنچے تو ان کو محسوس ہوا کہ سمندر کی تہ میں کوئی چیز حضرت حق کی پاکی بیان کر رہی ہے انکو تعجب ہوا کہ یہاں کون تسبیح کر رہا ہے لیکن معلوم ہوا کہ جو کنکریاں تہ میں پڑی ہوئی ہیں وہ خدا تعالےٰ کی پاکی بیان کر رہی ہیں اسی وقت انکو احساس ہوا اور اللہ تعالےٰ کو پکارا ان کی پکار سنی گئی۔

ذکر الٰہی موجب نجات ہے، حضرت حق نے والصفٰت میں فرمایا ہے:۔ فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الیٰ یوم یبعثون[۲] ۔ یعنے اگر حضرت یونس خدا تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتے

[ل] پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا۔ [۲] پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں۔

تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں مقید رہتے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی تسبیح اس کا ذکر پریشانیوں اور مصائب کو دور کر دیتا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی بندہ پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کو چاہئے اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا کہا کرے اللہ تعالیٰ اسکی مصیبت دفع کر دیگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرب اور بے چینی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَلِیْمُ الْحَلِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ط جب حضرت یونس یا صاحب حوت نے خدا تعالیٰ کو پکارا تو ان کی پکار سن لی گئی۔ اور مچھلی کے پیٹ سے ان کو نکال دیا گیا سورۂ نون میں ارشاد ہوتا ہے۔

فاصبر لحکم ربک ولا تکن	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے
کصاحب الحوت اذ نادی	فرماتے ہیں آپ صبر کیجئے اور صاحب حوت کی طرح
وھو مکظوم لولا ان تدارکہ	بے صبری اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے۔ جب اس
نعمۃ من ربہ لنبذ	نے ہم کو پکارا تو وہ نہایت غمگین تھا اگر حضرت حق کا
بالعراء وھو مذموم۔	احسان اسکی دستگیری نہ کرتا تو خدا جانے وہ کس
فاجتبٰہ ربہ فجعلہ	میدان میں پھینکدیا جاتا لیکن حضرت حق نے
من الصلحین۔	اس کو برگزیدہ کیا اور اسکو صالحین میں سے کرلیا۔

حضرت یونسؑ کو صرف مچھلی کی مناسبت سے ذوالنون اور صاحب الحوت فرمایا

لہ اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا پکارا اس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا اگر نہ سنبھالتا اسکو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر کر دیا اس کو نیکوں میں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ذوالنون مچھلیاں پکڑنے کی وجہ سے مشہور ہوگیا اس قسم کی مناسبت سے القاب متعین ہوجایا کرتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری کا واقعہ

مجھے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایکدفعہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مچھلیاں پکڑ رہے تھے اور مچھلیاں پکڑ پکڑ کے اپنی لڑکی کو دیتے جاتے تھے۔ لڑکی ان مچھلیوں کو دریا میں چھوڑتی جاتی تھی تھوڑی دیر کے بعد حضرت ذوالنون نے لڑکی سے دریافت کیا کہ مچھلیاں کہاں ہیں اس نے کہا میں نے تو دریا میں چھوڑدیں باپ نے حیرت سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں کیا اس نے کہا میں نے آپ سے سنا ہے کہ جب جانور خدا کی یاد سے غافل ہوتے ہیں تو شکار ہوجاتے ہیں اسلئے جو مچھلیاں آپکے جال میں پھنس رہی تھیں وہ وہی مچھلیاں تھیں جو خدا کی یاد سے غافل تھیں مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان غافل اور مغفل مچھلیوں کو کھاکر ہم بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہوجائیں۔

حضرت یونس کی معراج

بہرحال حضرت یونس علیہ السلام سے جو کلام یا گفتگو ہوئی وہ سمندر کی تہ میں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف اور درجہ عرش الٰہی پر حاصل ہوا۔ اور آپ سے عرش پر گفتگو ہوئی فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ عرش اور فرش میں چونکہ زمین آسمان کا فرق ہے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ سمندر کی تہ میں کلام کرنا اور عرش پر کلام ان دونوں مکانوں میں جو فرق ہے وہی حضرت یونسؑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین فرق ہے جس کو عرش پر معراج ہوا اس کا مرتبہ یقیناً اس سے زیادہ ہوگا جس کو سمندروں کی تہ میں یہ عزت عطا کی جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے عرش اور فرش کے فرق کی بنا پر حضرت

یونس پر فضیلت نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح میری آواز عرش پر سنتا تھا اسی طرح میرے بھائی یونس کی تحت الثریٰ میں سنتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے علم اور سمع کے اعتبار سے عرش اور فرش دونوں برابر ہیں اس کے لئے کوئی مکان خاص نہیں ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مکان عرش ہے فرش پر نہیں ہے۔ یا وہ عرش کے ساتھ مختص ہے فرش کے ساتھ نہیں۔ یا وہ فرش پر موجود ہے عرش پر نہیں بلکہ وہ ہر جگہ ہے اور ہر ایک کی سنتا ہے۔

وھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ۔ آسمانوں میں بھی وہی معبود ہے اور زمینوں میں بھی وہی معبود ہے۔

اس لئے میرا عرش پر جانا اور حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ میں کلام کرنا مخاطب کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رکھتا۔ اور جب مخاطب اور منادیٰ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے تو یہ وجہ افضلیت بھی نہیں ہے حضرت امام الحرمین نے جو بات اس حدیث سے اخذ کی وہ یقیناً اچھوتی ہے اگرچہ محل نظر ہے بہرحال حضرت یونس کا نام لینا ہی اس امر پر مشعر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں باہمی تفاوت ہے، اور اس تفاوت کے اظہار میں مضائقہ بھی نہیں بشرطیکہ اس طرح اس کا اظہار نہ کیا جائے جس سے کسی دوسرے پیغمبر کی توہین لازم آتی ہو جیسے آج کل کے قصاص بیان کیا کرتے ہیں اور اگر کسی نبی میں کوئی بات قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے تو اس میں رکیک تاویلیں کیا کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تعلیم

میں نے جو کچھ عرض کیا وہ روحانیت کے سلسلے میں

لہ اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور جس کی بندگی ہے زمین میں۔

عرض کیا تھا۔ اس سے معاذاللہ کسی نبی کی تنقیص مقصود نہ تھی واقعہ یہ ہے
کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت دیگر تمام انبیاء کرام کی روحانیت
کے مقابلہ میں اقوی اور محکم تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کو ۲۳ سال میں جو کامیابی
ہوئی وہ دیگر حضرات کو عرصہ دراز میں بھی نہیں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنی قوم کی ہدایت کا جو طریقہ اختیار کیا وہ حیرت انگیز ہے ایسی جاہل قوم کی
نبض کو اس ہوشیاری سے دیکھا کہ فن حکمت کا کمال ظاہر ہو گیا۔ اسی کو
جناب باری نے فرمایا ہے ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ذات وصفات کے عمیق سے
عمیق مسائل اور شریعت اسلامیہ کی باریکیاں عالم برزخ کے غوامض سرکار نے
اس قوم کو اس طرح سمجھائے کہ اس کے ذہن نشین ہو گئے جو تعلیم کا طریقہ سرکار
نے اختیار کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا چھوٹی چھوٹی مثالیں دیکر ایسے اہم مسائل
کو ذہن نشین کرایا کہ عرب کے بدو آسمان پر اڑنے لگے۔ وہ مشرک جن کی
گھٹی میں شرک پڑا ہوا تھا موحد ہو گئے اور بت پرست خدا پرست بن گئے خدا
کی خدائی سے ناآشنا ذات وصفات سے واقف ہو گئے عالم برزخ کے منکر
حشر ونشر اور جنت ودوزخ کے قائل ہو گئے۔ ملت ابراہیمی کو فراموش کر دینے
والوں نے ملت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا اور خانہ کعبہ جو ان بدوؤں کے ہاتھوں
بتوں کی جلوہ گاہ بنا ہوا تھا از سر نو خدائے وحدہٗ لاشریک کا گھر بنا دیا گیا میں آپ کے
سامنے چند مثالیں عرض کر کے اپنی تقریر کو ختم کر دوں گا۔ ان مثالوں سے آپکو نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم کا علم ہو جائیگا مستقبل کی تاریخ پھر کسی موقع پر عرض
کر دوں گا۔ ان چند امثال سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے کس محنت اور جانفشانی سے اس گندہ ناتراش قوم کو جو دنیا کی پست ترین قوم
کہلاتی تھی آسمان عزت ورفعت کا تارا بلکہ چاند وسورج بنلیا۔ یہ حضور ہی کا کام

تھا جو کسی دوسرے انسان سے نہیں ہو سکتا تھا اور اسی کو ہماری اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ عرب کی جاہل قوم کا تصور کیجئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امثال پر غور کیجئے کہ کیسے کیسے مشکل مسائل کو آسان بنا کر سمجھایا جا رہا ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔

تمثیلات تمدن و تہذیب سے ناآشنا قوم کو ذات وصفات کے اہم مسائل سے خبردار کرنے کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ اپنے روحانی اثر کے عام طریقہ سے مثالوں کا استعمال کیا اور چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی تمثیلات بیان فرما کر بڑے بڑے باریک مسائل کو ذہن نشین کرا دیا۔ سرکار دو عالم نے تعلیم کا یہ بہترین طریقہ اختیار کیا اور انکی ذہنیت کا اندازہ لگا کر اس خوبی کے ساتھ مثالیں بیان فرمائیں کہ ذات وصفات کے عمیق مسائل بھی ان کیلئے آسان ہو گئے۔ میں آپکے سامنے چند امثلہ ذکر کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز کس طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ان امثلہ میں کہیں سوال ہے اور سوال کے جواب میں مثال کے طور پر مسئلہ کو حل کیا ہے اور کہیں ابتدا سے مثال دیکر اصل مقصد کو ظاہر کیا ہے۔

نماز کی مثال اگر کسی شخص کے مکان کے قریب ایک پانی کی نہر بہتی ہو اور وہ اس میں پانچ وقت غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہیگا؟ حاضرین نے جواب دیا یا رسول اللہ پانچ وقت غسل کرنیوالے پر کس طرح میل باقی رہ سکتا ہے؟ فرمایا جس طرح پانچ وقت غسل کرنیوالے پر میل باقی نہیں رہتا اسی طرح پانچ وقت نماز پڑھنے والے کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

حج کی مثال ایک دفعہ درخت کی ایک شاخ جس میں چند خشک پتے لگے ہوئے تھے ہاتھ میں لیکر ہلائی۔ چونکہ پتے خشک تھے اس لئے وہ

سب جھڑ گئے فرمایا اس ٹہنی میں کوئی پتّا باقی ہے؟ مخاطبین نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی پتّا باقی نہیں ہے فرمایا جس طرح اس خشک ٹہنی کے تمام پتے جھڑ گئے اسی طرح حج کرنے سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

حسد و حرص کی مثال اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ بکریوں کو کس قدر نقصان پہنچائیں گے حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے ریوڑ میں گھس جائیں تو تمام بکریوں کو تباہ کر ڈالیں اور ان کو پھاڑ پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ فرمایا جس طرح دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح حسد و حرص ایک انسان کی نیکیوں کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔

حسد کی مثال حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔

اچھی بری صحبت کی مثال اچھے آدمی کے پاس بیٹھنے اٹھنے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی عطر فروش کے پاس بیٹھ جائے۔ اگر اس سے عطر نہ لیگا تو دماغ کو خوشبو کا فائدہ تو پہنچ ہی جائیگا۔ برے آدمی کے پاس بیٹھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھ گیا۔ اگر کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچے گا تو کم از کم کپڑے ہی سیاہ ہو جائیں گے یا بھٹی کے پتنگوں سے کپڑوں میں سوراخ ہو جائینگے۔ دیکھا آپنے باہمی معاشرت کے لئے کتنے بڑے مسئلہ کو چند الفاظ میں سمجھایا ہے۔ بھلے آدمی کے پاس بیٹھنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور برے آدمی کی صحبت میں نقصان ہی نقصان ہے۔ کم سے کم فائدے اور کم سے کم نقصان کی طرف اشارہ

فرمادیا۔ اسی کو عارف رومی نے کہا ہے

صحبت صالح ترا صالح کند — صحبت طالح ترا طالح کند

نیک بندوں کی صحبت کے اثرات کا صاحبو کیا کہنا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آجکل تو وہ برگزیدہ بندے قبروں میں جا سوئے جن کی صحبت یک ساعت انسان کو مرتبہ کامل بنادیا کرتی تھی صحبت اور ہم نشینی تو بڑی چیز ہے میں تو عرض کرتا ہوں صرف زیارت ہی نیک بندوں کی مراتب علیا کی ضامن ہوا کرتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک واقعہ حضرت مولانا جامی نے نقل کیا ہے۔ ایک دفعہ عراق میں قحط پڑا لوگ بارش کے لئے سخت بے چین تھے، آخر مسلمان جنگل میں دعا کے لئے گئے۔ تین دن تک روز دعا کرتے اور محروم چلے آتے۔ تیسرے دن بعض یہودیوں نے طنزاً بھی کہا کہ تم لوگ خدا کے سامنے دعائیں کرتے ہو اور تمہاری دعائیں خدا نہیں سنتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب تیسرے دن مسلمان جنگل سے مایوسانہ واپس آرہے تھے تو ایک شخص نے ان سے دریافت کیا، آپ لوگ کہاں سے آتے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا کمبخت تجھ کو معلوم نہیں تو کیسا مسلمان ہے؟ دنیا قحط سے تباہ ہو رہی ہے، ہم لوگ استسقا کے لئے تین دن سے جا رہے ہیں لیکن روز محروم واپس آتے ہیں تجھکو یہ بھی خبر نہیں کہ ہو کیا رہا ہے؟ اس نے کہا آؤ میرے ساتھ آؤ میں دعا کروں۔ چنانچہ تمام مسلمان اس کے ساتھ ہو لئے وہ جنگل میں گیا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا یا اللہ تجھ کو اس معاملہ کا واسطہ دیتا ہوں جو میری آنکھوں سے تعلق رکھتا ہے میرے خدا اپنی مخلوق کو سیراب کر دے اس دعا کے بعد پانی برس گیا لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ شخص کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں ہے ایک ناقص

مسلمان ہے لیکن اس کی دعا میں یہ اثر کہاں سے آگیا اور وہ آنکھوں والا معاملہ کیا ہے چنانچہ لوگوں نے اس سے اصرار کیا تو اس نے انکو بتایا کہ ایک دن میں شراب خانے میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنے بیہودہ شغل میں مصروف تھا، بکایک میں نے سامنے سے ایک انبوہ کثیر کو گزرتے ہوئے دیکھا میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے، انھوں نے کہا بایزید بسطامی تشریف لارہے ہیں، لوگ انکے استقبال کو نکلے ہیں میں نے بایزید بسطامی کا نام سنکر اپنی گردن کو موڑ کر دیکھا تو میری نظر ان پر پڑ گئی اور میں نے دور سے دیکھا کہ کوئی بزرگ آدمی ہیں جن کے ہمراہ ہزار ہا انسان چل رہے ہیں، میں نے بھی انکو ایک نظر دیکھ لیا جس دن سے میں نے انکو دیکھا ہے اس دن سے میری تو یہ حالت ہو کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو میں آنکھوں والے واقعہ کا تذکرہ کر کے دعا مانگتا ہوں، اور خدا تعالے میری دعا قبول فرما لیتا ہے۔ اسوقت بھی میں نے اس واقعہ کا حوالہ دیکر دعا کی تھی اللہ تعالے نے اپنے بندوں کو سیراب کر دیا۔

حضرات! اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ انکی رویت اور انکی زیارت موجب برکات ہوا کرتی ہے اور انکی یک روزہ صحبت سالہا سال کی عبادت کے برابر ہوجایا کرتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے انکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

مسرت حق کی مثال جو لوگ اللہ تعالے کی ذات سے بالکل ہی ناآشنا ہوں انکو یہ سمجھانا کہ اللہ تعالی ایک مجرم اور گنہگار کی توبہ پر کس قدر خوش ہوتا ہے یہ ایک ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ مکہ معظمہ کے تو مسلموں کو اس کا سمجھانا آسان نہ تھا۔ یہ امر کہ جب کوئی مجرم اپنے جرائم سے تائب ہوتا ہے تو اللہ تعالی خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنے

بندے کا اعتراف جرم کے بعد توبہ کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے سمجھا دینا تو کچھ زیادہ مشکل نہ تھا لیکن حضرت حق کی مسرت اور خوشنودی کا کسی مثال سے تصور کرا دینا اور ایک غیر محسوس بلکہ غیر مدرک چیز کو مثال دیکر ذہن نشین کرانا ایک معجزہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجی خوش ہونے کو کم و بیش سب ہی جانتے ہیں جس بد نصیب کو کبھی تمام عمر میں خوش ہونیکا موقع نہ ملا ہو وہ بھی خوشی کا مفہوم سمجھتا ہے۔ خوشی اور غم ایسی دو مشترک چیزیں ہیں کہ اس آسمان کے نیچے رہنے والوں کی زندگی اس سے خالی نہیں ہے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا کی زندگی نام ہی ہے شادی اور غم کے مجموعہ کا دنیا کی زندگی کیا ہے خوشی اور غم راحت اور مصیبت دُکھ اور سُکھ کے مجموعہ کو زندگی کہتے ہیں ایسا کون شخص ہے جو عناصر اربعہ کے جیل خانہ میں مقید رہا ہو اور اس نے راحت و غم سے کبھی ملاقات نہ کی ہو جو اس زندگی کو قید سمجھتے ہیں ان کے لئے تو یہ دُکھ اور درد ہی کی جگہ ہے لیکن جن کو یہ قید خانہ جنت معلوم ہوتا ہے یا جو اس کو جنت سمجھتے ہیں ان کو بھی کبھی نہ کبھی مصائب و آلام سے دو چار ہونا ہی پڑتا ہے۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ **الدنیا سجن المؤمن و جنت الکافر** دنیا کی زندگی کافر کے لئے ایک باغ ہے اور اس کو اس زندگی سے بڑی دلچسپی ہے لیکن کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ کافر کو اس باغ میں کبھی دُکھ نہیں پہونچتا۔ صاحبو! میں اس زندگی کی بوالعجبیاں آپ کو کیا بتاؤں جو لوگ آٹھوں پہر ہنستے رہتے تھے اور جن کی ہر وقت باچھیں کھلی رہتی تھیں اور جو کبھی رونے کا نام ہی نہیں جانتے تھے میں نے ان کو زار زار اور چیخیں مار مار کر روتے دیکھا ہے۔

اور جن کی آنکھ کا آنسو نہیں رکتا تھا اور جو ہمیشہ روتے ہی رہا کرتے تھے انکو
بھی نے کھل کھلا کر ہنستا اور ٹھٹھے مارتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس زندگی
کی بے ثباتی کی بھی کچھ عجیب دردانگیز داستان ہے۔ مرزا صاحب نے ایک
شعر میں ان دونوں حالتوں کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

خدا دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

ان ہی دو حالتوں کو حضرت حق نے صبر و شکر یا انعام و اعراض سے
یا الفضل اور ضرر سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ یونس کے آخر میں فرماتے ہیں۔

ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو و ان یردک بخیر فلا راد لفضلہ

اے پیغمبر اگر اللہ تعالیٰ آپکو کبھی تکلیف پہونچانا چاہیں تو انکی بھیجی ہوئی مصیبت کو بجز انکے کون رفع کرسکتا ہے اور اگر وہ کبھی آپکو نفع اور خیر پہنچانا چاہیں تو ان کے فضل کو کون روک سکتا ہے؟

بہرحال میری گذارش یہ ہے کہ دکھ درد اور راحت و آرام سے کون واقف نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات الدنیا سجن المومن و جنت الکافر پر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ کافر کو دنیا میں کیوں تکلیف
ہوتی ہے بعض مسلمانوں کو ہم عیش میں دیکھتے ہیں اور بعض کافروں کو دکھ
میں مبتلا پاتے ہیں تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ جیل خانہ میں عیش کیسا اور باغ میں
دکھ کیسا۔ اس شبہ کا ایک جواب تو وہی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے اور وہ بہترین جواب ہے دکھ اور سکھ کا اعلیٰ

لہ اگر پہنچاوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اسکو ہٹانیوالا اس کے سوا اور اگر
پہنچانا چاہئے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔

عالم آخرت پر کرنا چاہیے مسلمان کو کتنا ہی عیش کیوں نہ حاصل ہو جائے۔
لیکن اخروی عیش کے مقابلہ میں وہ عیش کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح
کافر کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو لیکن دوزخ اور اس کے عذاب کے مقابلے میں
وہ عیش ہی ہے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب بالکل صاف
ہے اور اس کے بعد حدیث کے معنی پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

حدیث شریف کے دوسرے معنی حدیث مذکور کے عام طور سے تو معنی یہی کئے جاتے ہیں کہ دنیا مومن
کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے اور اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے
کہ اس عالم میں مومن کیلئے تکالیف اور مصائب ہیں اور اس دنیا میں کافروں
کے لئے راحت و عیش ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس حدیث کے یہی معنی ہوں اور
کثرت و قلت کے باعث مصائب کا ایک جانب اور آرام کا دوسری جانب
ذکر کر دیا گیا ہو یعنی عام طور سے مسلمانوں پر تنگی اور کفار پر آسانی ہوگی یہ مطلب
نہیں کہ کبھی کافر کو تکلیف ہی نہیں ہوگی یا کسی مسلمان کو عیش ہی نصیب نہیں
ہوگا۔ بلکہ عام طور سے کفار کے ساتھ آسانی کا اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کا
برتاؤ کیا جائیگا جیسا کہ ایک روایت کے مضمون سے بظاہر بھی ہوتا ہے جس میں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو گروہ کو اپنی دعا میں شامل کیا ہے۔ اگر زندگی
میں یہ فرق نمایاں نہ بھی ہو تو موت کے وقت اس کا فرق ضروری ہے جیسا کہ
خود حضور نے دعا فرمائی ہے یا اللہ جو تجھ پر ایمان لایا ہے اور مجھ کو رسول جانتا ہے
تو اسکے دل میں اپنے دیدار کی محبت پیدا کر دے اور اس پر موت آسان کر دے لیکن اسکو
دنیا تھوڑی دے اور جو تجھ پر ایمان نہیں لایا اور میری رسالت کا اقرار نہیں کیا
اسکو دنیا بہت دے لیکن اپنے دیدار کی محبت اسکے قلب سے سلب کر لے اور اس پر موت

کو مشکل کر دے غالبًا یہ روایت ابن حبان کی ہے اس حدیث سے بھی یہ معلوم
ہوتا ہے کہ آخرت کا عیش اور وہاں کا آرام و اطمینان یہاں کے مصائب
کا صلہ یا یہاں کے دکھ درد کی قیمت ہے۔ بہر حال حدیث شریف کے یہ معنی
تو ظاہر ہی ہیں کہ قید خانہ دکھ کی جگہ ہے اور باغ راحت کا مقام ہے لیکن
کبھی کبھی یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفہوم کو
ان الفاظ میں کیوں ادا کیا۔ یہاں کی زندگی کو قید خانہ اور باغ سے کیوں
تعبیر کیا گیا۔ لیکن جیل میں جانے کے بعد ایک اور بات سمجھ میں آئی۔

قید خانے کی زندگی

قید خانے میں صرف یہی بات نہیں ہے کہ قیدی
کو تکلیف ہوتی ہے یا اس کو دکھ پہونچایا جاتا
ہے بلکہ قید خانے میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ڈسپلن کی بہت زیادہ
پابندی کی جاتی ہے گھنٹی کی آواز پر کھانا شروع کرنا گھنٹی کی آواز پر کھانا
ختم کرنا، گھنٹی کی آواز پر پاخانہ کے لئے بیٹھنا گھنٹی کی آواز پر پاخانہ سے
کھڑا ہو جانا، ہر بات میں پابندی اٹھنا بیٹھنا، چلنا، پھرنا کوٹھریوں میں بند
ہونا نکلنا، غرض ہر قسم کی حرکات پر پابندی، کوئی کام بلا اجازت کے قیدی
نہیں کر سکتا اور نہ کسی حکم کی مخالفت کر سکتا ہے گویا یوں سمجھئے کہ ایک مطیع
منقاد اور فرمانبردار اونٹ کی طرح ہے کہ جب اس کو کھڑا کیا جاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا
ہے اور جب اسکو بٹھایا جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے۔ ہر قسم کی پابندی اور آزادی
کے سلب ہو جانیکا نام قید خانہ ہے۔ کوئی کام اپنی خوشی اور اپنے ارادہ سے نہیں
کر سکتا جو کام کرتا ہے اپنے افسر کی اجازت سے ہی کرتا ہے حتی کہ کھانا پینا اور
پیشاب پاخانہ میں بھی آزاد نہیں رہتا۔ ہر قسم کی آزادی اور خود مختاری کے
سلب ہو جانے کو جیل خانہ کہتے ہیں۔ اسکے مقابل دوسرے مقام کا نام جنت رکھا

گیا ہے۔ باغ میں انسان آزاد ہوتا ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، جو پھل چاہتا ہے وہ کھاتا ہے جہاں چاہتا ہے بیٹھتا ہے جہاں چاہتا ہے لیٹتا ہے۔ غرض ہر اعتبار سے آزاد ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کی اجازت کا محتاج نہیں ہوتا گویا باغ کی زندگی جیل کی زندگی کے بالکل مقابل ہے ایک طرف پابندی ہی پابندی ہے، اور دوسری طرف مطلق العنانی اور آزادی ہی آزادی ہے جب آپ نے ان دونوں باتوں کو سمجھ لیا تو اب حدیث کے معنی سمجھ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ دنیا مومن کا قید خانہ ہے یعنی مسلمان اس زندگی میں آزاد نہیں ہے بلکہ اسکی تمام زندگی کا ایک ایک گوشہ شریعت اسلامیہ کے قبضے میں ہے شریعت کے خلاف نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے نہ چل سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے غرض تمام زندگی اللہ و رسول کے حکم کے تابع ہے، نہ تو خدا اور رسول کی بلا اجازت کوئی حرکت کر سکتا ہے نہ انکے حکم کی تعمیل میں تامل و تانی سے کام لے سکتا ہے۔

سلب اختیار چنانچہ فرماتے ہیں وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم[1]

یعنی کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم سننے کے بعد یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس کے حکم کو بجا نہ لائے۔ جب خدا اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو مسلمان مرد اور عورت کا اختیار ہی ختم ہو جاتا ہے یعنی اس فیصلہ کے خلاف کا اختیار ہی باقی نہیں رہتا اور ہر مرد و عورت پر آرڈر کی تعمیل واجب ہو جاتی ہے اگرچہ یہاں اختیار شرعی مراد ہے اختیار طبعی مقصود نہیں ہے لیکن اختیار شرعی کے سلب ہو جانے ہی کا نام تو ایمان ہے۔ اختیار طبعی سے تو ہماری

---

[1] اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جبکہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا۔

بحث بھی نہیں ہے اختیار طبعی باقی ہوا اور پھر اللہ و رسول کے حکم کے خلاف نہ کرے اسی کو تو ایمان کہتے ہیں۔

حضرات! آپ نے مسلمان کی زندگی کو سمجھا، یہ ہے قید خانہ کی زندگی اور یہی معنی ہیں: بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن[۱] کے یعنی اپنی ذات کو صاحب السجن کے حوالے کئے بیٹھے ہیں۔ دنیا میں جیل خانہ کے سپرنٹنڈنٹ کو رب السجن یا رئیس السجن کہتے ہیں ہر ایک قیدی اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے مسلمانوں کا رب السجن وہ ہے جس نے عالم مجردات کے ان طیور کو عناصر کی جیل میں مقید کر دیا ہے۔ اپنا مالک السجن اور رئیس السجن وہی ہے جس نے گلستان ربوبیت کی عنادل کو عناصر کے سجن میں پابہ زنجیر کر دیا ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب　　　موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

جس طرح ایک قیدی قید خانہ میں رب السجن کا مطیع ہوتا ہے اسی طرح مسلمان اپنے ہر کام میں اپنے پروردگار کا مطیع و منقاد ہے۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای[۲]	میری نماز اور میری عبادت میرا جینا اور میرا مرنا،
ومماتی للہ رب العلمین	سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے اور اسی کے احکام
لا شریک لہ۔	کے ماتحت ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

المؤمن ھینون لینون کالجمل	مومن ایک نکیل ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح بالکل مطیع و
الانف ان قید انقاد واذا	فرمانبردار ہوتا ہے جب اسکو ٹھہرایا جائے تو ٹھہر
انیخ علی صخرۃ استناخ۔	جاتا ہے اور جب کسی جگہ بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے

۱؎ کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے۔

۲؎ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کیلئے ہے کوئی نہیں اسکا شریک

مومن کی زندگی کی کیا خوب مثال فرمائی ہے اس کے مقابل کافر کی زندگی ہے جو خدا تعالیٰ کے کسی حکم کا پابند نہیں ہے جو چاہتا ہے کھاتا ہے جو چاہتا ہے پینتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے مسلمان جو قدم اٹھاتا ہے پہلے احکام خداوند کی طرف دیکھتا ہے لیکن کافر ان تمام قیودات سے پاک ہے اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔[1] دُور نہ جائیے کافر کو پیشاب یا پاخانہ کی ضرورت ہوتی ہے تو جس طرف اس کا جی چاہتا ہے منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے لیکن ایک مسلمان کو دیکھئے جب وہ ان ضرورتوں میں سے کسی ضرورت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہی سوچتا رہتا ہے کہ قبلہ کس طرف ہے اسکو یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ نہ ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب اور پاخانہ کی حالت میں قبلہ کی سمت منہ کرنے اور پیٹھ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھا آپ نے کافر اور مسلمان کی زندگی کا فرق اسی فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر یعنی مومن کی زندگی ہر اعتبار سے مقید ہے وہ کوئی کام ہماری بلا اجازت کے نہیں کر سکتا اور کافر کی زندگی آزاد زندگی ہے اسکو ہماری اطاعت و فرمانبرداری کا خیال بھی نہیں آتا میں سمجھتا ہوں کہ میری اس تقریر کے بعد وہ تمام شبہات دُور ہو گئے ہونگے جو عام طور پر بعض حضرات کی جانب سے کئے جایا کرتے ہیں مسلمان خواہ کتنے ہی عیش میں ہو لیکن اس کی زندگی مقید ہے اور کافر کتنے ہی دُکھ میں ہو لیکن اس کی زندگی آزاد ہے گویا فرق دُکھ سُکھ کا نہیں ہے، بلکہ اطاعت اور نافرمانی کا ہے۔

توبہ کی مسرت کا تصوّر بہرحال دکھ سکھ کا تو ہر شخص کو تصور ہوتا ہے

[1] وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ۔

لیکن اللہ رب العزت کی مسرت کا تصور کرانا اور وہ بھی حجاز کے بدوؤں کو کتنا بڑا مشکل کام ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر مشکل مسئلے کو کس طرح حل کیا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ عرب ایک ریگستان ہے جہاں میلو پانی نہیں ملتا۔ حجاز کی آب و ہوا وہاں کی خشکی اور ریگستان ایسا ہی ہے جیسا آپکا راجپوتانہ۔ اب حضور کی مثال سنئے فرماتے ہیں ایک شخص اپنا کھانا اور پانی ایک اونٹ پر رکھے ہوئے جنگل میں سفر کر رہا ہو، اتفاق سے وہ ایک درخت کے نیچے آرام لینے بیٹھ گیا ہو۔ اسی حالت میں تھوڑی سی نیند آگئی اور اس سے اونٹ کی رسّی چھوٹ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ اونٹ جس پر سامان زندگی لدا ہوا تھا وہ غائب ہو گیا یہ اس اونٹ کو تلاش کرنے لگا جنگل کی دھوپ گرمی۔ لق و دق میدان میں ہر طرف دوڑتا پھرا، لیکن اونٹ کا کہیں پتہ نہیں لگا آخر تھک کر ایک جگہ لیٹ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔ پیاس بڑھتی جاتی ہے اور دم کھنچ رہا ہے غرض ہر طرح موت کے آثار ظاہر ہو چکے ناامیدیوں نے اس مسافر کا محاصرہ کر لیا اسی ناامیدی کی حالت میں ہلکی سی آواز کان میں آئی آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ سرمایۂ زندگی سرہانے کھڑا ہے۔ بتاؤ اس مایوس انسان کو اس اونٹ کے ملنے کی کیسی خوشی ہوگی؟ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی خوشی کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے تو دوبارہ زندگی حاصل کی گویا موت کے منہ سے نکل آیا فرمایا جتنی خوشی اس قریب الموت مسافر کو اونٹ کے ملجانے سے ہوتی ہے اس خوشی سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اسوقت ہوتی ہے جب کوئی بندہ اس سے اپنے جرائم کی توبہ کرتا ہے اور آئندہ کیلئے ترک جرم کا عہد کرتا ہے کہ کسی بندے کے تائب ہونے پر حضرت حق کی مسرت کا تصور عرب کے نو مسلم تو کیا کر سکتے تھے۔ قدیم مسلمان بھی اسکا اندازہ

لگانے سے معذور ہیں یہ وہ پر کیف حقیقت ہے کہ اہل ذوق ہی اسکو سمجھتے ہیں

اہل دل کا فقدان

اب وہ اہل دل کہاں ہیں جن کے روبرو کوئی بات کہی جائے۔ آپ جیسے سمجھداروں کے سامنے تو بات کہہ کر اپنی بات بھی کھونی ہے۔ خدا جانے تم کیا سمجھو گے اور کس طرح میری بات نقل کرو گے۔ آپ کو کیا معلوم ہے کہ کسی جرم پر توبہ کرنا اور اپنی خطا پر نادم ہونا ایک ایسے مرتبہ کا مالک بنا دیتا ہے جہاں بندہ برسوں کی صلوٰۃ تہجد سے بھی نہیں پہونچ سکتا۔ حضرت عارف رومی نے اپنی مثنوی میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی جماعت فوت ہو گئی تھی، جب وہ مسجد پر پہنچے تو دیکھا لوگ نماز پڑھ کر نکل رہے ہیں۔ انہوں نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ دوسرے حضرات نے جواب دیا کہ نماز ہو چکی ہم نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے مکانوں کو جا رہے ہیں اس صحابی نے پھر دریافت کیا کہ کیا جماعت ہو گئی؟ لوگوں نے کہا ہاں، ہادی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام پھیر دیا اور جماعت ہو چکی۔ اس صحابی کو فوت جماعت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ اس کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ یہ آہ ایسی دلسوز تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کا کلیجہ جل گیا۔ جو لوگ نماز پڑھکر نکلے تھے ان میں سے ایک شخص نے اس صحابی کو علیحدہ لیجا کر کہا، آپ جماعت کی نماز کا ثواب چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں میں جماعت کا ثواب چاہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا جماعت کا ثواب میں تم کو اپنا دیدیتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے یہ آہ دیدو۔ یہ صحابی رضامند ہو گئے آہ دے آئے اور جماعت کا ثواب اس سے لے کر چلے آئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کوئی شخص دریافت کرتا ہے اے خدا کے بندے آج کیا فروخت کر آیا، اس نے کہا ایک آہ منہ سے نکلی تھی وہ فروخت کر آیا اس

دریافت کرنیوالے نے کہا وہ آہ تو اتنی قیمتی تھی کہ اگر قیامت کے دن اہل محشر پر تقسیم کردی جاتی تو تمام اہل محشر کی نجات کے لئے وہ آہ کافی ہوتی۔

صاحبو! گناہ کے بعد توبہ کرنا اور اپنی ندامت کا اظہار کرنا یہ ایسی قیمتی اور مزیدار چیز ہے کہ بعض متقی اور پرہیزگار حضرات گناہ کرنے کیلئے مجبور ہوگئے ہیں۔

مخلوق کی اقسام

بھائی اگر آپ مجھے معاف فرمائیں اور میری بات کسی سے نہ کہیں تو میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شاید ہماری پیدائش اور ہماری خلقت اسی لطف اندوزی کے لئے کی گئی ہے کہ ہم گناہ کریں اور گناہ کے بعد روئیں توبہ کریں، استغفار کریں۔ اور اپنی توبہ استغفار سے کسی نقاب پوش اور پردہ نشین محبوب کی مسرت کا سامان مہیا کیا کریں۔

کیونکہ گناہ کرنا اور اس کے بعد توبہ کرنا یہ اسی مخلوق کا خاصہ ہے جس کو انسان کہتے ہیں حضرت حق کی مخلوق کو گناہ اور نیکی کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول ملائکہ، یہ وہ مخلوق ہے جو گناہ کرنیکی اہلیت ہی نہیں رکھتی جس کی سرشت میں خالص ملکیت ہو وہاں گناہ کا امکان کس طرح ہوسکتا ہے سورۂ تحریمہ میں فرماتے ہیں۔

لا یعصون اللہ ما امرھم[1] جس چیز کا ملائکہ کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسکے خلاف نہیں کرتے

اللہ کے فرشتے گناہ تو کیا کرتے ان کو تو عبادت ہی سے فرصت نہیں وہ تو چوبیس گھنٹے اللہ رب العزت کی عبادت ہی میں مصروف رہتے ہیں اور باوجود اس دائمی عبادت کے نہ تو کبھی تھکتے اور کمزور ہوتے ہیں اور نہ کبھی اپنی عبادت پر تکبر اور نخوت کا اظہار کرتے ہیں۔ سورۂ انبیاء میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

---

[1] نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو۔

ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنہار لا یفترون

اللہ کے پاس ایسی مخلوق ہے جو اسکی شب و روز عبادت اور تسبیح و تقدیس سے نہ تھکتی ہے نہ اسکی عبادت میں سستی کرتی ہے اور نہ اپنی اس کثرت عبادت پر تکبر کرتی ہے۔

سورۂ اعراف کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ ویسبحونہ ولہ یسجدون

اللہ رب العزت کے پاس ایسی مخلوق ہے جو اپنی عبادت پر تکبر نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی رہتی ہے اور صرف خدا تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرتی ہے۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنہار لا یسئمون

اگر انسان ہماری عبادت سے اعراض کرے تو ہمیں اسکی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے پاس ایک اور مخلوق ہے جو دن رات ہماری پاکی بیان کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اور باوجود کثرت عبادت کے اس پر کمزوری کے آثار مرتب نہیں ہوتے۔

گناہ کی صلاحیت و عدم صلاحیت

یہ ایک دوسری بحث ہے کہ فرشتوں میں گناہ کرنے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟ اگرچہ یہ ایک طویل بحث ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معصوم پیدا کیا ہے ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔ یفعلون ما یؤمرون۔ اس وقت آپ کے سامنے

۱؎ اور جو اسکے نزدیک رہتے ہیں سرکشی نہیں کرتے اسکی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی یاد کرتے ہیں۔ رات اور دن نہیں تھکتے۔ ۲؎ بیشک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اسکی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ ۳؎ پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں پاکی بولتے رہتے ہیں اسکی رات اور دن اور وہ نہیں تھکتے

فریقین کے دلائل پیش کرنیکا موقع نہیں اہل سنت کا صحیح اور محقق مسلک یہی ہے۔ رہا صاحب روح البیان کا یہ کہنا کہ نحن نسبح بحمدک و نقدس لک کہنے والے فرشتوں کو آگ کا عذاب دیا گیا اور ہزار ہا فرشتوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ یہ انہی مسامحات میں سے ایک تسامح ہے جو موصوف کی تفسیر میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے اور اہل علم کے لئے اس قسم کا تسامح قابل استدلال نہیں ہے ہاروت و ماروت کا قصہ بھی اس مسلک کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسلئے کہ جو لوگ اس واقعہ کے قائل ہیں اور ہاروت و ماروت کو فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں وہ اسکے بھی قائل ہیں کہ انکو گناہ کی قدرت اور طاقت علی العصیان عطا کر دی گئی تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک قسم ملائکہ کی ہے جہاں صرف عبادت و اطاعت کا ظہور ہے اور کسی قسم کی نافرمانی کا صدور نہیں ہے۔

شیاطین اور جنات دوم شیاطین ہیں جن سے کسی نیکی اور بھلائی کی توقع نہیں ہے جس طرح فرشتے کوئی گناہ نہیں کر سکتے اسی طرح یہ گروہ کوئی نیکی نہیں کر سکتا۔ جنات خبیثہ اور شیاطین کی یہ حالت ہے کہ بدی اور ارتکاب جرائم انکی سرشت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ملائکہ نوری اور خبیث گروہ ناری ہے ان خبائث کا کام یہ ہے کہ خود بھی نافرمان ہیں اور دوسروں کو بھی نافرمانی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اگر یہ کبھی کسی مسلمان کو نیک بات کی ترغیب بھی دیتے ہیں تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی مکر و فریب و جل و خدع مضمر ہوتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رض کا واقعہ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نماز کے لئے بیدار کرنا جیسا کہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں ذکر فرمایا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ نماز کے لئے کسی مسلمان کو بیدار کر دینا یا جگا دینا بڑا اچھا کام ہے۔ لیکن جب حضرت امیر معاویہ نے اس سے دریافت کیا کہ تجھ کو نماز سے کیا دلچسپی ہے تو اس نے اول تو ان کو دھوکہ دینا چاہا پھر مناظرہ شروع کر دیا اور بالآخر جب انہوں نے اس خبیث کو تنگ کیا تو کہنے لگا ایک روز آپ کی جماعت فوت ہو گئی تھی تو آپ اس قدر روئے تھے کہ آپ کو جماعت سے زیادہ ثواب مل گیا تھا میں نے خیال کیا کہ آپ کو سلانے کی بجائے جگا دینا ہی زیادہ بہتر ہے جو گروہ خدا کی مخلوق کو گمراہ کرنے پر قسم کھا چکا ہو اور جس نے اپنے حسد کا مظاہرہ کرنے میں انتہا کر دی ہو اس سے کسی نیکی کی توقع کرنا ایک بے سود اور مہمل امید ہے حضرت حق نے جن الفاظ میں شیطان کا قول نقل کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اور اس کی ذریت اور اس کے معاونین جنات اور ارواح خبیثہ اپنے کیرکٹر اور اخلاق کے اعتبار سے کس قدر گری ہوئی مخلوق ہے فرماتے ہیں۔

وقال لاتخذن من عبادك نصيبا مفروضا ولاضلنهم ولامنينهم ولامرنهم فليبتكن اذان الانعام ولامرنهم فليغيرن خلق الله[1]

تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقررہ حاصل کرونگا اور میں انکو گمراہ کرونگا اور میں انکو غلط امیدیں دلاؤنگا اور انکو حکم کرونگا تاکہ وہ جانوروں کے کان کاٹکر اور نشان لگا کر بتوں کے نام پر چھوڑیں اور میں ان کو امر کروں گا تاکہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی شکل و صورت میں تغیر کریں۔

---

[1] اور کہا شیطان نے کہ میں لونگا البتہ تیرے بندوں سے حصہ مقررا اور انکو بہکاؤں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو سکھاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور انکو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اس مردود کا قول ہے :-

هٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا[1]

یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر ترجیح دی ہے اور جس کا مرتبہ تو نے مجھ سے بڑھا دیا ہے اگر تو نے مجھکو قیامت تک جیتے رہنے کا موقع دیدیا تو اس شخص کی یعنی آدم کی اولاد کو تباہ کر کے چھوڑوں گا البتہ تھوڑے لوگوں پر میرا قبضہ نہ چل سکے گا۔

سورۂ اعراف میں ہے :-

فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ۔[2]

چونکہ تو نے میری گمراہی کا سامان پیدا کیا ہے اور آدم کو میری تباہی کا باعث بنایا ہے اسلئے میں اولاد آدم سے انتقام لوں گا۔ اور وہ سیدھی راہ جو تجھ تک پہنچتی ہے اسکے درمیان بیٹھ جاؤنگا اور اولاد آدم کی گمراہی کیلئے ہر چار طرف سے اس پر حملہ کرونگا اور ان میں سے بیشتر کو تیرا شکر گزار نہ بننے دوں گا۔

ایک شبہ کی مدافعت یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ شیطان نے اولاد آدم کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ غیب کی بنا پر کہا تھا، یا شیطان کو علم غیب تھا کیونکہ عالم الغیب تو اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کس طرح کسی دوسرے کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے ؟ شیطان نے جو کچھ کہا وہ اپنے گمان کی بنا پر کہا اور انسانی طبیعت اور

---

[1] یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا اگر تو مجھکو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اسکی اولاد کو ڈانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے۔

[2] تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا انکی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر ان پر آؤں گا انکے آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے اور نہ پائیگا تو اکثروں کو ان میں شکر گذار۔

انسانی سرشت کو سمجھ کر ایک رائے قائم کی۔ اسی رائے کی بنا پر مستقبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اور یہ سمجھ لیا کہ انسان مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اور اس کی سرشت میں متضاد جذبات پنہاں ہیں اس لئے اس پر قابو پا لینا آسان ہو گا۔ اس نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شیطان نے یہ ادعا کیا اور اتفاق کی بات کہ وہ اپنے خیال میں صحیح ثابت ہوا۔ اس سے زیادہ ان توقعات کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ چنانچہ اسی چیز کو حضرت حق نے سورۂ سبا میں ظاہر فرمایا ہے۔

ولقد صدق علیھم ابلیس ظنه فاتبعوه الا فریقا من المؤمنین۔ ابلیس نے جو گمان قائم کیا تھا اور اولاد آدم کے متعلق جو رائے قائم کی تھی اس نے اپنے گمان کو اور اپنی رائے کو سچا کر دکھایا اور نتیجہ یہی ہوا کہ مخلصین و کاملین کے علاوہ عام طور سے لوگوں نے اسکو اپنا متبوع بنا لیا۔

شیطان کی اتباع صاحبو! آج آپ جس شیطان کو اپنا متبوع اور پیشوا بنائے ہوئے ہیں اس کی حالت بھی آپ کو معلوم ہے؟ آج آپ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ رہے ہیں اور آج شیطان نے آپ کے برے اعمال کو ایسا مزین اور آراستہ کیا ہے کہ آپ اندھے ہو گئے ہیں۔ ہر برے عمل کو آپ اچھا سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے دل میں بھلائی کا احساس ہی باقی نہیں رہا ہے۔

افمن زین له سوء عمله فراٰہ حسنا۔ اس شخص کی کیا حالت ہے جسکے برے اعمال اسکی نظر میں بھلے معلوم ہو رہے ہوں۔

لہ اور سچ کر دکھلائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایماندار۔ لہ بھلا ایک شخص کہ بھلی سمجھائی گئی اس کو اس کے کام کی برائی۔

یہ تو انتہا درجہ کی بدقسمتی ہے کہ کسی شخص کو اپنی برائی بھلی معلوم ہونے لگے۔ اور فرماتے ہیں۔

وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون۔ کمبخت شیطان نے بنی نوع انسان کے بُرے اعمال کو اتنی زینت دی اور ان کے اعمال کو ایسا مزین کیا کہ لوگوں پر ہدایت کی راہ مسدود ہو گئی اور سیدھی راہ کی تلاش سے مستغنی ہو گئے۔

کیونکہ وہی شخص اپنی اصلاح کے لئے کوشش کر سکتا ہے جو اپنے آپکو غلطی پر سمجھتا ہو لیکن جس بدنصیب کا مرض یہاں تک بڑھ گیا ہو کہ اس کو اپنے مرض کا احساس ہی باقی نہ رہا ہو وہ اپنی اصلاح کی فکر کس طرح کر سکتا ہے۔

شیطان کا فریب

واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے بعض کو شیطان نے اپنے مکر و فریب میں ایسا ملوث کیا ہے کہ کبھی اپنے گناہوں کو چھوڑنے اور توبہ کرنے کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ لیکن میں آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ جس کی دوستی میں آپ اسقدر گمراہ ہو رہے ہیں اسکی بیوفائی کا جس وقت مظاہرہ ہوگا اسوقت آپ کو معلوم ہوگا، آج تو ہماری یہ حالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے احکام کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور شیطان کے ایک اشارہ پر مطیع و فرمانبرداروں کی طرح چل پڑتے ہیں۔ لیکن ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جہاں آپ کا اس مردود سے مقابلہ ہوگا۔ غلط امیدوں کی بناء پر اس امر کی خواہش کریں گے کہ شیطان آپ کی اعانت و امداد کرے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے شیطان کیا

لہ اور بھلے دکھلائے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام پھر روک دیا ہے ان کو راستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے۔

جواب دیگا۔ اگر آپ قرآن کا مطالعہ کرتے رہتے تو آپ کو میری تقریر سمجھنے میں بہت آسانی ہوتی ارشاد فرماتے ہیں۔

شیطان کا کورا جواب جب ہر ایک کا فیصلہ ہو جائیگا اور مجرموں کو عذاب میں بھیج دیا جائیگا تو شیطان ان مجرموں کو خطاب کرتے ہوئے کہے گا۔

ان اللہ وعدکم وعد الحق	اللہ تعالی نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ وعدہ سچا
ووعدتکم فاخلفتکم وما کان	تھا اور میں نے تو جھوٹا وعدہ کیا تھا میں تمہارے اوپر
لی علیکم من سلطن الا ان	کوئی حکمراں یا بادشاہ نہ تھا جو تم سے زبردستی گناہ
دعوتکم فاستجبتم لی فلا	کرا لیتا میں تو گناہ کی جانب صرف پکار کرتا تھا
تلومونی ولوموا انفسکم ما	لیکن تم میری پکار پر دوڑ نکلتے تھے تو آج تم مجھکو
انا بمصرخکم وما انتم بمصرخیّ	ملامت کرنے اور بُرا بھلا کہنے کی بجائے خود اپنے

آپ کو ملامت کرو۔ آج نہ میں تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میرے کام آسکتے ہو۔

صاحبو! آپنے شیطان کا کورا جواب سُنا، اور بھائی ایک شیطان کیا قیامت میں تو ہر ایک کا یہی حال ہوگا جس دن آدمی اپنے رشتہ داروں اور بھائی بیٹوں سے بھاگا بھاگا پھریگا اس دن کب کوئی کسی کے کام آسکتا ہے۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم یومئذ

---

[۱] بیشک اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر کوئی حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا میری بات کو سو الزام نہ دو مجھکو اور الزام دو اپنے آپکو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو۔

[۲] جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی گھر والی اور اپنے بیٹوں سے ہر مرد کو ان میں سے اس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اس کیلئے کافی ہے۔

شان یغنیہ۔ اس دن تو عجیب ایک استغنا اور بے پروائی کا معاملہ ہوگا۔ انسان اپنی محبوب سے محبوب چیز کو بھی فراموش کر دیگا۔ اس دن جب انسان ہی انسان کے کام نہ آئے تو شیطان کیا خاک کام آسکتا ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین۔ اس دن کی پریشانیوں کا یہ عالم ہوگا کہ دوست دشمن بن جائیں گے البتہ متقی اور پرہیزگاروں کی دوستی قائم رہے گی۔ چونکہ یہی طبقہ ہے جس کو اس دن اطمینان نصیب ہوگا تو اس کی دوستیاں دشمنیوں سے تبدیل نہ ہوں گی۔[1]

ملائکہ اور شیاطین برادران ملت! خدا کی مخلوق ایک یہ بھی ہے جو نیکی کے پاس سے بھی ہو کے نہیں گزری۔ اس سے نیکی کا وقوع ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ملائکہ سے گناہ کا صدور ناممکن ہے۔ یہ خود نیک کام کیا کرے گی۔ یہ تو بنی نوع انسان ہی کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہے جس طرح ملائکہ میں صلاحیت و عدم صلاحیت کا سوال تھا ویسا ہی یہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ شیاطین اور مردۃ الجن میں نیکی کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟ ہر چند کہ مسئلہ مختلف فیہ سہی لیکن اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ملائکہ کے لئے نیکی اور شیاطین کے لئے برائی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ نہ تو ملائکہ سے گناہ کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ شیطان سے نیکی کی! حضرت حق جل مجدہٗ کی ایک تیسری مخلوق بھی ہے جو نہ گناہ کرتی ہے نہ نیکی، وہ جانور ہیں جو غیر ذوی العقول بھی ہیں اور غیر مکلف بھی۔

چوتھی قسم مخلوق کی ان تین قسموں کے علاوہ ایک چوتھی قسم بھی ہے اور عقلاً اعمال کے اعتبار سے مخلوق کی چار ہی قسمیں ہو بھی سکتی

---

[1] جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ہیں ڈر والے۔

قسمیں ایک وہ جو صرف گناہ ہی گناہ کرتی ہو، ایک وہ جو صرف نیکی ہی نیکی کرتی ہو، ایک وہ جو نہ گناہ کرتی ہو نہ نیکی، ایک وہ جو نیکی بھی کرتی ہو اور گناہ بھی آپ ہی فرمائیے ان چار کے علاوہ کوئی اور قسم بھی ہو سکتی ہے۔ چوتھی قسم جو گناہ بھی کرے اور نیکی بھی کرے وہ جناب ہیں آپ کی وہ مثل ہے قاضی جی نکاح میں بھی اور قاضی جی طلاق میں بھی۔ ابھی آپ وعظ میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور ابھی آپ سینما میں تالیاں بجا کر قہقہے لگا رہے ہیں غرض آپ بھی ایک تماشہ ہیں۔ مکھی کی طرح نہ تو نجاست پر بیٹھنے سے آپ کو عار ہے اور نہ مٹھائی پر بیٹھنے سے آپ کو باک ہے۔ آپ کا نقشہ حضرت حق نے خوب کھینچا ہے سورۂ والشمس میں فرماتے ہیں۔ اول تو سات قسمیں کھائی ہیں۔

قرآن کی قسمیں آج کل تو بعض احمق یہی کہا کرتے ہیں کہ خدا کو قسم کھانے کی کیا ضرورت پیش آئی قسم تو انسان کے کلام میں ہوا کرتی ہے خدا کے کلام میں قسموں کا کیا ذکر، گویا خدا تعالےٰ بھی جناب کے مشورے سے کلام کرنا۔ بچے تو اس کا افسوس ہے کہ صاحبو! دنیا سے علم ہی اٹھ گیا۔ ایک طرف تو کلام الٰہی کی فصاحت و بلاغت کے آپ قائل ہیں اور دوسری طرف قسموں پر شبہ ہے۔ ارے! کلام تو فصیح بلیغ جب ہی ہوگا جب مقتضائے حال کے موافق ہو۔ کلام جامع ہو اور مقتضائے حال کے موافق ہو تب ہی تو اس کو بلیغ کہا جائیگا ورنہ کلام بے موقع ہو جائیگا فرض کیجئے آپ کا مخالف تو ایک بات کو بڑے زور سے ثابت کر رہا ہے۔ اور آپ اس کے مقابلہ میں بہت ہلکی تردید کر رہے ہیں، تو کیا آپ کی یہ تردید صحیح ہوگی؟ اس کی تو سینکڑوں مثالیں اردو میں موجود ہیں۔

کلام کو موکد کرنا :- کلام کو موکد کرنے کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔ آپکا

مقابل کہتا ہے خدا کی قسم آج چاند نہیں ہوا اب اگر آپ کہیں کہ آج چاند ہو گیا تو یہ کلام کمزور ہے مقابل کا صحیح جواب نہیں ہے بلکہ اگر آپ کو بولنے اور کلام کرنے کی تمیز ہے تو آپ کا فرض ہے کہ آپ بھی قسم کھا کر کہیں کہ نہیں خدا کی قسم آج چاند ہو گیا میں نے خود دیکھا ہے تو جھوٹا ہے۔
کلام کی خوبی یہ ہے کہ تاکید کے موقع پر تاکید کی جائے اور تاکید کی ضرورت نہ ہو تو تاکید کو ترک کر دیا جائے۔ یہ تم سے کس پاگل نے کہہ دیا ہے کہ خدا کے کلام میں قسم نہ ہونی چاہیئے۔ کافر تو قسمیں کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور اللہ تعالیٰ بدون تاکید کے اپنے رسول کی تصدیق کرے تو کیا دوسرا کلام پہلے کلام کا ہم وزن ہو سکتا ہے؟ کافر تو کہیں لات و عزیٰ کی قسم آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ صرف اتنا کہدے کہ تو ہمارا رسول ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ جواب درست ہو گا؟ بلاغت کا مقتضا یہ ہے کہ جس زور سے کافر آپ کی رسالت کی تکذیب کریں اتنے ہی زور سے تصدیق کی جائے اور کہا جائے:-

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝	ہم قرآن حکیم کی قسم کھاتے ہیں بیشک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔

اگر آپ کلام کی قوت و ضعف سے واقف نہیں ہیں تو میں کہتا ہوں آپ کلام کرنا ہی نہیں جانتے۔ رہا یہ معاملہ کہ اللہ تعالےٰ نے فلاں فلاں چیز کی قسم کیوں کھائی؟ تو بھائی یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھوں اگر مجھے موقع ملا اور اللہ تعالیٰ نے میری امداد فرمائی تو میں اس مضمون کو ایک رسالہ کی شکل میں ترتیب دونگا۔

لہ قسم ہے اس پکے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے۔

اگر وہ رسالہ مرتب ہوسکا تو اس وقت آپ کو معلوم ہو گا کہ ان اشیاء مختلفہ کی قسموں میں کس قدر غموض وحکم ہیں اور کیا کیا مصالح پوشیدہ ہیں۔ حضرت حق نے ہر موقع پر کس قسم کی رعایت رکھ کر قسم کھائی ہے۔

حضور کی زندگی کی قسم دیکھئے ایک موقع پر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے فرماتے ہیں۔

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون۔ اے محمد تیری جان کی قسم وہ لوگ اپنی نافرمانی اور سرکشی کے نشے میں بہک رہے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو قسم کھانے کے لئے کیوں منتخب کیا ہے؟ کیوں بھائی! آپ کا مطلب بھی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جا بجا مختلف چیزوں کی قسمیں کیوں کھائی ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ ذرا اس معاملہ پر غور کیجئے حضرت لوط علیہ السلام کے معزز مہمانوں پر یورش ہے، ایک شریف آدمی کے مہمانوں کی بے عزتی پر اگر کوئی آمادہ ہو تو تصور کیجئے کہ اس شریف انسان پر کیا گذرتی ہے؟ پھر بے عزتی بھی کس قسم کی؟ یعنی قوم کا مطالبہ یہ ہے کہ ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کردو تاکہ ہم ان کو وضع فطری کے خلاف استعمال کریں۔ حضرت لوط کو بھی یہ نہیں معلوم کہ یہ فرشتے ہیں۔ بتائیے اللہ کے ایک پیغمبر پر وہ ساعت کس قدر شاق ہوگی؟

حضرت لوط اور ابراہیم علیہما السلام یہ تو شاید آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت لوط کی بستیوں پر عذاب کے لئے

لے قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

جن فرشتوں کو مقرر کیا تھا وہی فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے
کی بشارت دینے کے لیے بھی مقرر ہوئے تھے اور حکم یہ تھا کہ پہلے ہمارے
خلیل کو بیٹے کی بشارت دینا اور پھر لوط کی قوم کو تباہ کر دینا کیونکہ اس قوم
کی سرکشی حد سے تجاوز کر چکی ہے۔ چنانچہ یہ فرشتے پہلے تو سیدنا ابراہیم
علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ یہ فرشتے عام انسانوں کی
شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم ان کو آدمی سمجھے اور اپنی
مہماں نوازی کی بناء پر جلدی سے سلام دعا کے بعد ایک گائے کے بچھڑے
کا تلا ہوا گوشت ان کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دیا۔ ھل اتٰک حدیث
ضیف ابراھیم المکرمین اذ دخلوا علیہ فقالوا سلاما قال سلام
قوم منکرون فراغ الی اھلہ فجاء بعجل سمین فقربہ الیھم قال الا تاکلون
اے محمد آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ معلوم ہے؟ جب وہ مہمان حضرت
ابراہیم کے پاس آئے اور اس زمانہ کی تہذیب کے موافق سلام کیا تو حضرت ابراہیم
نے جواب دیا اور اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ
ان سے کوئی تعارف نہ تھا۔ اس کے بعد مکان میں گئے اور بچھڑے کا بھنا ہوا
گوشت لاکر مہمانوں کے سامنے رکھ دیا اور جب انہوں نے کھانے کے لئے
ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم کا دل پکڑا گیا اور کچھ خوف معلوم ہوا کہ شاید یہ
مہمان کسی بری نیت سے آئے ہیں لیکن ان مہمانوں نے حضرت ابراہیم کو
اطمینان دلا دیا کہ ہم انسان نہیں ہیں بلکہ انا ارسلنا الی قوم لوط ہم تو

لہ کیا پہونچی ہے تجکو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے جب اندر پہنچے اسکے پاس
تو بولے سلام وہ بولے سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک بچھڑا گھی
میں تلا ہوا پھر ان کے سامنے رکھا کہا کیوں تم کھاتے نہیں۔ ٹہ ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی

فرشتے ہیں جو لوط کی قوم پر تعذیب کی غرض سے آئے ہیں اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس بشارت کو سن کر سیدنا ابراہیمؑ کی اہلیہ محترمہ نے بطور تعجب فرمایا یٰویلتیٰ ءالد وانا عجوز و ھذا بعلی شیخا ان ھذا لشیء عجیب[1] ہائیں اب میرے ہاں اس بڑھاپے میں بچہ ہوگا؟ میں بڑھیا ہوگئی اور یہ میرے شوہر بھی بڈھے ہوگئے اس عمر میں بچہ ہونا ایک عجیب و غریب بات ہے۔ فرشتوں نے اس جواب کو سنکر کہا اتعجبین من امر اللہ[2] کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے حکم پر تعجب ہوتا ہے اس کے نزدیک تو یہ امر کوئی مشکل نہیں ہے، جب وہ بدون ماں باپ کے پیدا کرسکتا ہے تو ماں باپ کی موجودگی میں کیا مشکل ہے؟

قوم لوطؑ کیلئے سفارش

جب یہ قصہ ہوچکا تو حضرت ابراہیمؑ نے لوط علیہم السلام کی قوم کے لئے سفارش شروع کردی کہ ابھی ان پر عذاب نہ بھیجا جائے اور ان کو غور کرنے کا موقع دیا جائے یجادلنا فی قوم لوط۔[3] ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب۔ ابراہیم چونکہ بڑا رقیق القلب بردبار اور ہماری طرف رجوع کرنے والا بندہ تھا، اسلئے اس نے لوط کی قوم کے متعلق ہم سے جھگڑا شروع کردیا جب اس نے زیادہ سفارش کی تو ہم نے صاف طور سے کہدیا۔ یا ابراھیم[4] اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک وانہم اتیہم عذاب غیر مردود۔ اے ابراہیم تم اس معاملہ میں

---

[1] ہائے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ [2] کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے۔ [3] جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل ہے رجوع رہنے والا۔ [4] اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا۔

مداخلت نہ کرو، تمہارے رب کا آرڈر جاری ہو چکا ہے اور اب ان پر سے عذاب واپس نہ کیا جائیگا۔ حضرت ابراہیمؑ اس حکم کو سن کر خاموش ہو گئے اور ملائکہ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا۔ اس بستی میں لوط بھی تو ہے کیا تم تمام بستی کے رہنے والوں کو تباہ کر دوگے سؤال[1] ان فیہا لوطا قالوا نحن اعلم بمن فیہا ملائکہ نے جواب دیا آپ اطمینان رکھئے ہم کو بستی کے رہنے والے سب معلوم ہیں۔ ہم سدوم بستی کے ایک ایک شخص سے واقف ہیں۔ ہم لوط اور اس کے متعلقین کو بچالیں گے۔ البتہ اس کی بیوی کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ لوط کی بیوی کا انجام بھی وہی ہو گا جو اور کافروں کا ہو گا۔

حضرت لوطؑ اور فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر یہ فرشتے حضرت لوطؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت لوطؑ نے انکو مہمان سمجھا اور مہمان بھی ایسے جوان بھی اور حسین بھی حضرت لوط کو اپنی قوم کا ایرانی المذاق ہونا معلوم ہی تھا ان خوبصورت مہمانوں کو دیکھ کر بہت گھبرائے سیٔ[2] بہم ذرعاوقال ھذا یوم عصیب اور انکو ان مہمانوں کا آنا ناگوار بھی گزرا اور انہوں نے اپنے دل میں کہا آج خدا خیر کرے۔ آج کا دن بڑا سخت ہے باوجود اس گھبراہٹ کے بھی اپنی مشہور رواداری کی بنا پر انکار نہ کر سکے مہمانوں کا گھر میں آنا غضب ہو گیا سدوم کے بدمعاشوں نے حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھائی کر دی اور مطالبہ کیا کہ یہ خوبصورت مہمان ہمارے حوالے کر دو۔ حضرت لوطؑ سخت پریشان ہوئے ایک طرف مہمانوں کی آبرو اور عزت کا خیال دوسری طرف بدمعاشوں

---

[1] بولا اس میں تو لوط بھی ہے وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے۔
[2] غمگین ہوا ان کے آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے۔

اور اوباشوں کی چڑھائی ہر طرح قوم کو سمجھاتے ہیں خوشامد کرتے ہیں۔
[1]ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید خدا کے واسطے میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی شخص بھی اتنا شریف اور سمجھدار نہیں ہے جو میری عزت و آبرو کا پاس کرے جب زیادہ پریشان ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں اگر تم خواہش نفسانی سے ایسے ہی معذور ہو تو میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو، یہ کام شرعاً جائز بھی ہے اور اخلاقاً پاکیزہ بھی ہے [2]هؤلاء بناتی هن اطهر لکم یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اور یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہیں۔ اب خیال کیجئے حضرت لوط پر کیا گزری ہوگی خود حضرت لوطؑ کے الفاظ سے ان کی پریشانی ٹپک رہی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی خوشامد کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو گھبرا کر انکے منہ سے نکلا [3]لو ان لی بکم قوة او اوی الی رکن شدید کاش مجھے تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میرا کوئی زبردست سہارا ہوتا تو میں اس کی پناہ میں چلا جاتا۔

حضرت لوط کی لغزش

حضرت لوط علیہ السلام کے یہی الفاظ تھے جس کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے کہ وہ حوادثات کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کے منہ سے ایسی بات نکل گئی جو ان کی شان کے مناسب نہ تھی۔ دیکھا آپ نے اس کو امتحان کہتے ہیں۔ خیال کیجئے ایسے نازک وقت میں اتنی سی بات منہ سے نکلی تھی اسی پر اعتراض

---

[1] اور مت رسوا کرو مجکو میرے مہمانوں میں، کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن۔
[2] یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو ان سے۔ [3] کاش مجکو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں۔

ہو گیا کہ کیوں کوئی سہارا خدا کے علاوہ تلاش کیا گیا ۔ اللہ تعالےٰ کی حمایت کیوں نہ طلب کی گئی ۔ اسی حدیث کا ایک ٹکڑا اور بھی ہے وہ بھی سن لیجئے ۔ بڑے لوگوں کو کس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ لو لبثت فی السجن مالبث یوسف لاجبت الداعی اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں قید خانے میں اتنی مدت تک جتنی مدت حضرت یوسفؑ رہے ہیں رہتا تو میں تو بلانے والے کے ساتھ ہولیتا اور یہ نہ کہتا کہ جاؤ پہلے میرے مقدمہ کی تحقیق کرو جب باہر آؤں گا ۔

حضرت لوطؑ اور یوسفؑ کی شرکت

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ حضرت یوسفؑ کو ایک سیاسی معاملہ میں مصر کی حکومت نے قید کر دیا تھا ۔ ایک عرصہ کے بعد خواب کی تعبیر کے سلسلے میں حضرت یوسفؑ کی رہائی کے احکام صادر کئے گئے اور جب شاہی حکم لے کر قاصد پہونچا اور حضرت یوسفؑ کو معلوم ہوا کہ میری رہائی کا حکم آیا ہے تو انہوں نے حکم لانیوالے قاصد سے کہا کہ پہلے میرے کیس کی تحقیقات کراؤ جب تک میرے مقدمہ کی تحقیقات نہ ہوگی میں جیل سے باہر نہیں آؤنگا ۔ تقریباً سات سال یا بارہ سال جیل خانے میں رہنے کے بعد حضرت یوسفؑ کا یہ صبر و استقلال یقیناً اس قابل تھا کہ اس کی تعریف کی جاتی چنانچہ سرکار نے فرمایا اگر میں اتنے زمانہ تک قید خانے میں رہتا اور میرے نام حکم آتا تو میں فوراً جیل سے باہر آجاتا اور جو شخص رہائی کا حکم لے کر آیا تھا اسی کے ہمراہ جیل سے نکل آتا ۔ بظاہر تو ان الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف و توصیف مقصود ہے ان کے عزم ان کی ہمت ان کے صبر و استقلال کو سراہنا مقصود ہے کہ جو کام حضرت یوسفؑ نے کیا وہ میرے

بھی بس کا نہ تھا، اگر مجھے اتنے عرصہ تک قید میں رہنے کی نوبت آتی تو میرے لئے یہ دشوار تھا کہ میں مقدمہ کی تحقیقات تک جیل میں بیٹھا رہتا۔ اگرچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بطور تواضع کے تھا ورنہ آپ کا صبر و استقلال تو ہر ایک پیغمبر سے زیادہ تھا۔

حدیث شریف کے ایک اور معنی ضیا جو! حدیث کے دو سرے ٹکڑے کا ایک مطلب تو یہی ہے جو میں نے عرض کیا اور ظاہر یہی معنی ہیں لیکن ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جس طرح پہلے ٹکڑے میں حضرت لوط کے لئے یرحم اللہ لوطاً اور یغفر اللہ لوطاً فرما کر حضرت لوط کی ایک لغزش کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے اسی طرح اس دوسرے ٹکڑے میں بھی حضرت یوسفؑ کی ایک لغزش کی جانب خفیف سا اشارہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت یوسفؑ کا یہ فعل اگرچہ ان کے صبر و استقلال اور عزم و ہمت کی کھلی ہوئی دلیل ہے لیکن رضا بالقضا کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ رضا بالقضا کی شان تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ جب قید میں جانے کا حکم ہوا چلے گئے اور جب نکلنے کا حکم ہوا تھا تو نکل آتے حضرت یوسفؑ کو یہ کیا حق تھا کہ اپنی صفائی کی کوشش کرتے بلکہ رضا بالقضا کا تقاضا یہ تھا کہ جب اخراج کا حکم موصول ہوا تھا اور حضرت حق کی جانب سے اخراج کے اسباب پیدا ہوئے تھے تو یوسفؑ کو تعمیل کرنی چاہئے تھی اور اپنے ارادہ کو دخل نہیں دینا چاہئے تھا۔ اگر میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تو میں رضا بالقضاء کا پورا ثبوت مہیا کرتا اور اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہتا۔ یہ معنی جو میں نے عرض کئے ہیں ان کی تقدیر پر حضرت لوط اور حضرت یوسف علیہما السلام کی خفیف اور معمولی سی لغزشوں کی جانب

اشارہ ہوگا اور حدیث کے دونوں ٹکڑوں میں ربط بھی ہو جائے گا۔

اوی الی رکن شدید حضرت یوسفؑ کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے یہ اس تقدیر پر صحیح ہوگا جب حضرت لوط علیہ السلام کے الفاظ کا یہ مطلب ہو کہ انہوں نے غیر اللہ کا سہارا تلاش کیا اور پریشانی کے وقت یہ کہا کہ اگر میرے رشتے دار اور کنبے قبیلے کے لوگ ہوتے تو وہ میری حمایت کرتے اور میں ان کا سہارا لے لیتا لیکن اگر انکے الفاظ کا مطلب یہ ہو کہ انہوں نے رکن شدید سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا سہارا مراد لیا ہو اور خدا کی پناہ تلاش کی ہو تو پھر ان کی لغزش کی طرف اشارہ نہ ہوگا بلکہ ان کی قابل رحم حالت کا تذکرہ ہوگا اور اسی قابل رحم حالت اور انکی پریشانی کے تذکرہ پر ان کے لئے دعائیہ کلمات فرمائے ہونگے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ لوط پر رحم فرمائے اور ان کی مغفرت کرے انہوں نے اپنی نالائق قوم کے ہاتھوں کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں اور کس قسم کی افسوسناک پریشانیوں میں مبتلا کئے گئے اور جب حدیث کے پہلے جملے کے یہ معنی کئے جائیں کہ حضرت لوطؑ کے مصائب و آلام کا ذکر کر کے ان کے صبر کی تعریف کرنا مقصود ہے تو پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق بھی یہی معنی ہونگے کہ ان کے عزم و استقلال کی تعریف فرمائی ہے تاکہ دونوں جملوں کا ربط معنوی باقی رہے۔

حدیث شریف کا تیسرا ٹکڑا اسی روایت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں فنحن احق بالشك من ابراهيم اذ قال له اولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبي اس جملے میں بھی دونوں احتمال موجود

ہیں لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے انشاء اللہ پھر کسی موقع پر عرض کروں گا دیکھئے اتفاق کی بات ہے بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی میں تو عرض کر رہا تھا کہ حضرت حق نے اپنے کلام میں جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ خاص مصالح کے ماتحت ہے۔ اسی پر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھانے کا تذکرہ کیا تھا اور چونکہ یہ قسم حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے کھائی گئی ہے اس لئے حضرت لوط کا ذکر آگیا اور بات لمبی ہوگئی بہرحال حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کا تصور کیجئے جو ان کو اس وقت پیش آئی جبکہ ان کی نالائق قوم نے ان کے معزز مہمانوں پر حملہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کی آبرو اور اس کی عزت خطرے میں پڑ گئی۔ ایسے نازک وقت میں آپ ہی فرمایئے کہ حضرت لوط پر کیا بنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کی اس پریشانی کا ذکر فرماتے ہوئے قسم کھائی ہے لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون اے محمدؐ آپ کی زندگی کی قسم سدوم کے کافر اپنی سرکشی اور شہوت پرستی میں مدہوش تھے۔ اب میں جناب سے دریافت کرتا ہوں ایک پیغمبر کی عزت و آبرو کا ذکر ہے۔ اس موقع پر اگر ایک پیغمبر ہی کی جان کی قسم کھائی جائے تو کیا نامناسب ہے؟ اس سے بہتر اور کیا مناسبت ہو سکتی ہے کہ ایک پیغمبر کی بے کسی اور پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے اس اندوہناک اور دلخراش واقعہ پر دوسرے پیغمبر کی زندگی اور حیات کی قسم کھائی جائے۔ یہ تو کلام کی انتہائی خوبی ہے اسی طرح ہر موقع پر جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں وہاں کوئی نہ کوئی رعایت ضرور ملحوظ رکھی گئی ہے۔

والشمس کی سات قسمیں یہ ذکر غالباً سورۂ والشمس کی قسموں سے چلا ہے اس سورت میں حضرت حق نے سات چیزوں

کی قسمیں کھائی ہیں۔ والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها والنهار اذا جلّٰها واللیل اذا یغشٰها والسماء وما بنٰها والارض وما طحٰها ونفس وما سوّٰها فالهمها فجورها وتقوٰها۔ سورج کی قسم اور اس کی روشنی کے تیز ہونے کی قسم چاند کی قسم جب وہ چاند سورج کے پیچھے چلے۔ دن کی قسم جب اسکو روشن کرے اور رات کی قسم جب اس کو ڈھانک لے۔ آسمان اور اس کے بنانے کی قسم زمین اور اس کے پھیلاؤ کی قسم نفس کی قسم اور اس کے ترتیب وتسویہ کی قسم۔ ان تمام قسموں کے بعد انسان کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فالهمها فجورها وتقوٰها یعنے انسان کا نفس اور اس کی طبیعت فجور وتقویٰ کے ساتھ ترکیب دی گئی ہے گو یا انسان کیا ہے فجور و تقویٰ کا مجموعہ ہے۔ جناب کی کچھ سمجھ میں آیا، آپ کون ہیں، نیکی اور بدی کی آپ ایک پوٹ ہیں۔ آپ میں ملکیت اور شیطنت دونوں شامل ہیں۔ آپکی طبیعت دو مختلف ملکوں سے مرکب کی گئی ہے۔ نہ آپ خالص فرشتے ہیں کہ آپسے گناہ کا وقوع ہی نہ ہو اور نہ جناب شیطان ہیں کہ گناہ کے بعد توبہ اور نیکی کا صدور ہی نہ ہو۔ آپ حضرت حق کی صفت رحمت وغضب کے مظہر ہیں اور اسی وجہ سے آپکو اللہ تعالےٰ کے دونوں ہاتھوں کی بنائی شے کہتے ہیں۔

ماخلقت بیدی شیطان نے جب آپ کے والد بزرگوار کے سامنے حلف وفاداری سے انکار کیا اور

لہ قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے اور دن کی جب روشن کرے اس کو اور رات کی جب اسکو ڈھانک لیوے اور آسمان کی اور جیساکہ اسکو بنایا اور زمین کی اور جیساکہ اس کو پھیلایا اور جی کی اور جیساکہ اسکو ٹھیک بنایا پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی اور بچ کر چلنے کی۔

اس پر مقدمہ قائم ہو گیا تو دوران مقدمہ میں حاکم کی طرف سے سوال کیا گیا
کیوں جی تم نے ایسے شخص کا اقتدار تسلیم کرنے سے کیوں انکار کیا جس کو میں
نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے، دونوں ہاتھوں سے بنانے کا مطلب
یہ ہے کہ انسان کو میں نے اپنی صفت جلال وجمال کا مظہر بنایا ہے
تواضع اور استکبار کے دونوں وصف انسان میں موجود ہیں، دونوں ہاتھوں
کا مطلب جو میں نے عرض کیا ہے یہ مطلب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی
رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سر الاسرار میں فرمایا ہے میری گذارش کا
خلاصہ یہ ہے کہ عقلاً چار ہی قسم کی مخلوق ہو سکتی تھی اور وہ چاروں
اقسام اس طرح پوری ہو گئیں۔ ان چاروں میں سب سے زیادہ نمایاں
اور اقرب الی المقصود آپ ہی ہیں۔ غالباً اس تقریر سے آپ کو اپنی پیدائش
کا منشا بھی معلوم ہو گیا ہوگا، بات کہنے کی نہیں ہے اور اس وجہ سے نہیں کہ
بات غلط ہے بلکہ تمہاری بیوقوفی سے ڈرتا ہوں ہم کو اس لئے پیدا کیا
گیا ہے کہ ہم کسی کی مسرت کا سامان مہیا کریں۔

مسلم شریف کی حدیث شاید آپ نے سنا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمام انسان گناہ کرنا
ترک کر دیں اور سب کے سب نیک ہی بن جائیں اور فرشتوں کی طرح نیکی ہی کے
کام کریں اور گناہوں کا دروازہ ہی بند کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باقی نہ رکھے،
بلکہ ان کی جگہ اور ایک ایسی قوم پیدا کرے جو گناہ بھی کرے اور نیکی بھی کرے
میں آپ سے دریافت کرتا ہوں اگر انسان کی پیدائش سے یہ مقصود نہ تھا
تو پھر اس کھلونے کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی تسبیح و تقدیس کیلئے
ملائکہ اور گناہ کے لئے شیاطین کافی تھے لیکن یہ دونوں متضاد چیزیں ایک مادہ

میں جمع نہ تھیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دو متضاد قوتوں کو یکجا کرکے اسکا نام انسان رکھدیا ہے اس سے بڑھ کر اور انسان میں کیا ہے لیکن آپ نہیں جانتے کہ انسان (دو متضاد قوتوں کے مجموعہ) نے ایک نئی شان پیدا کردی یہ مجموعہ کیا ہے کسی چھپی ہوئی طاقت کی خوشنودی اور اس کی مسرتوں کو مہیا کرنے والا ہے۔

صاحبو! میں کس طرح آپ کو سمجھاؤں اور کن الفاظ میں آپ کو بتاؤں کسی کریم کا بے غایت کرم اپنی شہرت و اعلان کیلئے مضطرب تھا کسی سخی کی بے غایت بخشش سائلوں کی تلاش میں پریشان پھر رہی تھی کسی کی مغفرت اپنے ظہور کیلئے بے چین تھی کسی رحیم کی بیکراں رحمت اپنا ٹھکانا ڈھونڈ رہی تھی کسی ثواب کو توبہ قبول کرنے کا شوق تھا لیکن کوئی توبہ کرنے والا نہیں ملتا تھا کسی معاف کرنے والے کو اپنی معافی کا اعلان کرنا مقصود تھا لیکن معافی کی درخواست کرنے والا معدوم تھا۔

صاحب اسرار الفاتحہ کا ایک واقعہ

صاحب اسرار الفاتحہ اپنی تفسیر میں قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت میں ہر ایک پیغمبر کو حکم ہو گا کہ تم اپنی اپنی امتوں کو حاضر کرو تمام پیغمبر اسکی تعمیل کریں گے۔ میں اپنے اصحاب اور دیگر رفقاء سے مشورہ کروں گا کہ مجھکو کیا کرنا چاہیئے۔ سب لوگوں کی رائے یہ ہوگی کہ آپ کی امت میں بیشمار نیک لوگ ہیں ان کو اپنے ہمراہ لیجایئے اور پیش کردیجئے۔ آپ کی امت کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیدیا جائے گا سرکار فرماتے ہیں میں اپنی امت کے نیک لوگوں کو جمع کرکے پیش کروں گا تو ارشاد ہو گا

اے محمدؐ یہ تو سب کے سب نمازی اور تہجد گزار ہیں وہ لوگ کہاں ہیں جو کبھی نمازی نہیں پڑھتے تھے یہ تو سب کے سب وہ ہیں جو نفلی روزے بھی ترک نہیں کرتے تھے لیکن وہ کہاں ہیں جو رمضان میں علی الاعلان کھاتے پھرتے تھے۔ یہ تو وہ ہیں جو زکوٰۃ کے ساتھ نفلی خیرات بھی کرتے تھے لیکن وہ بخیل کہاں ہیں جن کے دروازے پر کوئی سائل کبھی کامیاب ہی نہیں ہوا، یہ تو وہ ہیں جو ہمیشہ ماں باپ کی اطاعت کرتے تھے لیکن وہ کہاں ہیں جو ماں باپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ یہ تو وہ ہیں جو پڑوسیوں کی حفاظت کرتے تھے لیکن پڑوسیوں پر ظلم کرنے والے کہاں ہیں۔ یہ تو وہ ہیں جو ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے لیکن جھوٹے اور دروغ گو کہاں ہیں۔ جب اس تفصیل کے ساتھ جرائم پیشہ لوگوں کی حاضری کا مطالبہ کیا جائیگا تو میں عرش الٰہی کے نیچے ایک طویل سجدہ کرونگا اور اس میں اللہ رب العزت کی حمد بیان کروں گا اور حمد بھی ایسی بیان کروں گا جو تمام پیغمبروں کی حمد سے بڑھ جائیگی۔ میں عرض کروں گا الٰہی میرے امت کے گناہگاروں کو طلب کرکے مجھے میدان محشر میں رسوا نہ کر۔ میں ان روسیاہوں کو لاکر میدان محشر میں کیا کروں گا۔ مجھکو تو یہ توقع تھی کہ میں نیک بندوں کو دکھا کر تمام امت کی بخشش کا اعلان کرالوں گا۔ الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں تم کو راضی کردونگا۔ اے میرے آقا تیرا وہ وعدہ کہاں ہے، میری امت کے معاملہ میں میری رسوائی اور ذلت کا سامان نہ کر۔ جب میری حمد اور گریہ وزاری حد سے بڑھ جائے گی تو ارشاد ہوگا اے محمدؐ سر اٹھاؤ جو مانگو گے دیا جائیگا اور جس کی شفاعت کروگے قبول کی جائیگی تم نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ میں تمہاری امت کے گناہگاروں کو تمہاری رسوائی کیلئے

بلا رہا ہوں۔ تم یہ تو بتاؤ جب تک گناہگار نہ ہوں میں اپنی مغفرت اور کرم کا اظہار کس پر کروں گنہگاروں کا مطالبہ اس غرض سے کیا جارہا ہے کہ ان پر کرم و مغفرت کا اظہار کیا جائے ان کی حاضری کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا ہے کہ تم کو ذلیل یا رسوا کیا جائے۔ امیر مینائی نے کیا خوب کہا ہے:-

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھلائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بے گناہ میں بھی گناہگاروں میں ہوں

ہر کمال کا شوق صاحبو! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے ہر کمال نمایاں ہونے کیلئے مضطرب ہوا کرتا ہے۔ ہم تو فانی حسن کی روزمرہ یہ زورا زوری دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی جانب متوجہ کرنے کیلئے سو جتن کرتا ہے۔ بھلا حسن حقیقی اور کمال ازلی کو یہ خواہش نہ ہوگی کہ اس کا ظہور ہو۔ انسان کی پیدائش یا متضاد قوتوں کے اجتماع کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کسی کے کمال رحم و کرم اور مغفرت کا اظہار کیا جائے۔ اور یہ اس پر موقوف تھا کہ کوئی مانگنے والا آئے کوئی روتا ہوا حاجتمند آئے، کوئی گناہگار اپنے گناہوں سے نادم اور منفعل روتا ہوا دروازے پر حاضر ہو۔ کوئی مظلوم عدل و انصاف طلب کرتا ہوا خدمت میں پیش ہوتا کہ کوئی کریم اپنے کرم کا کوئی رحیم اپنی رحمت کا کوئی سخی اپنی سخاوت کا کوئی معاف کرنے والا اپنی معافی کا کوئی حکیم اپنی حکمت کا، کوئی غفار اپنی مغفرت کا کوئی ستار اپنی پردہ پوشی کا کوئی حلیم اپنے حلم اور بردباری کا، کوئی تواب توبہ قبول کرنے کا، کوئی رزاق اپنے رزق دینے کا مظاہرہ کرے اور اس طرح بندے کی ضرورت پوری ہو جائے اور بندہ نوازی کو اپنی بے غایت و بیکراں شانوں کے اظہار کا موقع ملجائے فسبحن الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون۔

سائل اور تائب کی تلاش

حضرات! اگر کسی کو اپنے کمالات ازلیہ کے اظہار کا شوق دامنگیر نہیں ہے تو رات کے پچھلے حصہ میں کیوں ایک ایک کے گھر پہ دستک دی جاتی ہے اور کیوں یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ

هل من سائل — کوئی مانگنے والا ہے؟ تاکہ میں اسکو دیدوں۔ کوئی پکارنے
هل من داع — والا ہے؟ تاکہ میں اس کی پکار کو قبول کرلوں۔ کوئی
هل من مستغفر — بخشش طلب کرنیوالا ہے تاکہ میں اسکی بخشش کردوں۔
هل من مسترزق — کوئی رزق طلب کرنیوالا ہے؟ تاکہ میں اس کو رزق
هل من مبتلی۔ — دیدوں۔ کوئی بیمار ہے؟ تاکہ میں اسکو شفا دیدوں۔

آپ ہی بتائیے اگر کوئی دینے والا اپنی دین کے لئے مضطرب نہیں ہے تو رانوں کو در در کیوں پھرا کرتا ہے اور سنئے:۔

ان الله يبسط يده بالليل ليتوب مسيء النهار ويبسط يده بالنهار حتى تطلع الشمس من مغربها۔ — اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کے گناہ کرنیوالوں کی توبہ قبول کرلے۔ اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے گناہگاروں کی توبہ قبول کرلے اور جب تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہوجائے اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ جاری رہیگا۔

اللہ اللہ! دیکھا آپ نے شوق عطا، اگر کوئی سخی اپنی سخاوت کیلئے مضطر نہیں ہے تو صبح اور شام کیوں ہاتھ پھیلا کر گناہگاروں کی تلاش کیا کرتا ہے۔

دوزخ سے آخری نجات پانیوالا

شاید آپکو یاد ہوگا کہ ایک مسلمان اپنے گناہوں کے باعث سب سے آخر تک دوزخ میں رہیگا جب اس کے نکلنے کا وقت آئیگا تو ارشاد ہوگا

کیوں تو چیخ رہا ہے وہ عرض کریگا میرے آقا مجھے دوزخ نے کھا لیا۔ تمام گناہ گار مسلمان دوزخ سے نکل گئے لیکن میرے لئے اتنا تو کردیا جائے کہ مجھے دوزخ کے کنارے پر کھڑا کردیا جائے اور وسط جہنم سے نکال دیا جائے۔ ارشاد ہوگا اگر تیری یہ تمنا پوری کردی جائے تو پھر کچھ سوال تو نہیں کریگا؟ عرض کریگا اے میرے رب پھر میں کچھ طلب نہیں کروں گا۔ چنانچہ اسکو کنارے پر کھڑا کردیا جائیگا ایک عرصہ تک یہ خاموش رہیگا، پھر چیخنا شروع کریگا ارشاد ہوگا اب کیا کہتا ہے، یہ عرض کریگا الٰہی مجکو دوزخ سے باہر کھڑا کردیا جائے۔ ارشاد ہوگا تو نے کہا تھا میں کچھ اور طلب نہیں کروں گا۔ یہ عرض کریگا مجھے آپکے عزت وجلال کی قسم اگر آپنے میری یہ درخواست قبول کرلی تو پھر کچھ نہیں کہونگا۔ ارشاد ہوگا اچھا اس کو باہر کردیا جائے۔ دوزخ سے باہر نکلنے کے بعد اس کو ایک درخت نظر آئیگا ایک عرصہ تک جب تک اللہ چاہیگا یہ خاموش رہیگا۔ عرصہ کی خاموشی کے بعد پھر عرض کریگا اے میرے پروردگار اگر تو مجھے اس درخت کے نیچے پہنچا دے تو میں آرام سے بیٹھا رہونگا اور پھر کچھ نہیں کہونگا ارشاد ہوگا ابن آدم تو بڑا کذاب ہے تو نے تو قسمیں کھا کر کہا تھا میں اب کچھ اور نہیں کہونگا۔ یہ عرض کریگا الٰہی تیری عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ درخت کے نیچے پہنچ جانے کے بعد پھر کچھ عرض نہیں کرونگا چنانچہ یہ درخواست منظور کرلی جائیگی۔ درخت کے نیچے پہونچ جانے کے بعد ایک طویل عرصہ تک جس کی مقدار اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے خاموش رہیگا لیکن درخت کے نیچے پہنچنے کے بعد اس کو جنت کا دروازہ نظر آجائیگا، یہ بندہ ایک زمانہ دراز تک خاموش رہیگا۔ جنت کے دروازے کو دیکھیگا اور خاموش ہوجائیگا یہاں تک کہ جب ایک طویل مدت گزر جائیگی تو پھر عرض کریگا۔ الٰہی اگر مجھے کو جنت کے

دروازے تک پہونچا دیا جائے تو پھر میں کوئی چیز طلب نہیں کروں گا۔ ارشاد ہوگا، ابن آدم تو بڑا کذاب اور جھوٹا ہے ہر بار قسمیں کھاتا ہے اور توڑتا ہے تو نے نہیں کہا تھا کہ درخت کے نیچے پہنچنے کے بعد پھر کچھ نہیں کہونگا۔ بندہ پھر عزت وجلال کی قسمیں کھا کر وعدہ کریگا اور نہایت موثق طریقہ پر وعدہ کرے گا الٰہی جنت کے دروازے تک پہنچ جانے کے بعد پھر مجھے کونسی ضرورت باقی رہ جائیگی۔ دروازے پر بیٹھا بیٹھا جنت کو دیکھا کروں گا اور آپ سے کچھ نہیں کہوں گا۔ چنانچہ پھر درخواست قبول کرلی جائیگی اور جنت کے دروازے پر پہنچا دیا جائیگا۔

سائل اور سخی میں کشمکش حضرات! جنت کے دروازے پر پہنچنے کے بعد یہ شخص خاموش ہو کر بیٹھ جائے گا اور یہاں تک ضبط سے کام لیگا کہ باوجود انتہائی شوق کے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالے گا ؎

شوق کہتا ہے ابھی عرض تمنا کیجئے
دل یہ کہتا ہے کہ بڑتی نہیں ہمت میری

خدا جانے اس خاموشی اور ضبط کا سلسلہ کبتک جاری رہیگا۔ یہاں تک کہ سخی کا انتظار حد سے گزر جائیگا۔ کسی کے شوق عطا اور جذبہ جود وکرم کا تقاضا یہ ہوگا کہ سائل کچھ مانگے اور میں دوں۔ سائل کو یہ ضد ہوگی کہ میں اپنی زبان سے اب کچھ نہیں کہوں گا۔ کیا مزیدار ضد بحث ہوگی کہ سائل خاموش بیٹھا ہے اور دینے والے منتظر کھڑے ہیں کہ کب اسکے منہ سے اپنی حاجت کا اظہار ہو اور میں پورا کروں۔ زمانہ گزر جاتا ہے لیکن سائل ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ جب ایک مدت گزر جائیگی جس کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے اور باوجود طویل مدت کے سائل نہ بولیگا تو سخی فرمائیگا اے بندے اب کچھ نہیں مانگتا۔

دیکھا آپ نے شوقِ سخاوت! اس ضد بحث کا نتیجہ کیا نکلا۔ بھلا سائل اور سخی کی ضد بحث اور پھر سخی کی با! ہر دفعہ سائل سے صبر نہ ہوتا تھا اور اس دفعہ کریم سے ضبط نہ ہو سکا۔ بھلا کوئی دریافت کرے کہ جناب کو اس کے دریافت کرنے کی کیا پڑی تھی کہ اب کچھ مانگتا نہیں۔ اگر سائل چپ ہو گیا تھا تو آپ کو اسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

صاحبو! میں کیا عرض کروں معاملہ ایسا ہے کہ جس کا کہنا مشکل ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے والے سے دینے والا زیادہ بے قرار ہے۔ جب کریم کی جانب سے دریافت کیا گیا تو سائل عرض کریگا مجھے شرم آتی ہے کئی مرتبہ قسمیں کھا کھا کر توڑ چکا ہوں ارشاد ہوگا ہم سے مانگنے میں کیا شرمانا ہم جانتے ہیں تو جنت میں جانا چاہتا ہے جا ہم نے تجھ کو بخش دیا۔ یہ سن کر بندہ جنت میں جانے کا قصد کریگا لیکن اس کو جنت میں کوئی خالی بالا خانہ نظر نہ آئیگا۔ چونکہ سب سے پیچھے داخل ہوگا تو تمام جگہ بھری ہوئی معلوم ہوگی۔ یہ جنت کے دروازے میں کھڑا ہو کر کہیگا۔ اَتَستَھزِئُ وَاَنتَ رَبُّ العٰلَمِینَ آپ رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔ ارشاد ہوگا ہم مذاق نہیں کرتے بلکہ تیرے لئے دنیا سے دس گنی بڑی بادشاہت و حکومت موجود ہے۔

خلاصۂ کلام اس تمام تقریر کے بعد غالباً آپ سمجھ گئے ہونگے کہ ملکات مختلفہ کو ایک مادے میں جمع کرنے اور اس کا نام انسان رکھنے کا اصل مقصد کیا ہے۔ بات ایسی ہے کہ اس کا کہنا بھی مشکل اور نہ کہنا بھی مشکل۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض الفاظ میرے منہ سے ایسے نکلے جو حضرت حق کی شان کے لائق نہ تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے

اضطراب اور مجبوریوں سے پاک ہیں وہ اس سے بالاتر ہیں کہ وہ کسی سے
ہار جائیں یا کسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ لیکن بھلا میں کیا کروں۔ میں اس مفہوم
کو آپ کے سامنے کس طرح ادا کرتا۔ میں آپ سے صاف عرض کرتا ہوں کہ
میں جو کچھ خلق انسانی کو سمجھے ہوئے ہوں مجھے افسوس ہے کہ میں اب بھی
آپ کو نہیں سمجھا سکا اور اللہ معاف کرے اس سعی اور کوشش میں
بعض الفاظ ایسے بھی نامناسب اور ناملائم نکلے جن کی ظاہری سطح حضرت
حق کی شان برتر و اعلیٰ کے ہرگز لائق نہیں ہے۔ جو چیز میں نے آپ کو
سمجھانے کی کوشش کی وہ اصل میں سمجھانے کی چیز نہیں ہے۔ اول تو
آپ کچھ سمجھے ہی نہ ہونگے اور اگر کچھ سمجھے بھی ہوں تو میں آپ سے کہتا ہوں
ناسمجھ بن جائیے۔ کیونکہ اس راہ میں نادانی اور بے وقوفی اور دیوانگی ہی
محفوظ و مامون راہ ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اسی کو حضرت عارف رومی نے فرمایا ہے اور کیا خوب فرمایا ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

قسموں کی مناسبت

ایک بات درمیان میں آگئی تھی میں وہ بھی عرض کردوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم
میں جن اشیاء کی قسمیں کھائی ہیں وہاں مقسم علیہ سے کوئی مناسبت
ضرور ہے چنانچہ والشمس میں جو قسمیں کھائی ہیں وہ مختلف اشیاء کی
قسمیں ہیں جو آپس میں متضاد ہیں مثلاً سورج کے اثرات چاند سے
مختلف ہیں اور دن رات کی ضد ہے۔ آسمان اور زمین میں باہمی فوق اور
تحت کا تقابل ہے نفس انسانی اور اس کا تسویہ و تعدیل دو مختلف

چیزیں ہیں جس طرح مقسم بہم متضاد اور باہمی مختلف ہیں اسی طرح مقسم
علیہ بھی ملکات متضادہ کا مجموعہ ہے جو فجور و تقویٰ کی آمیزش سے
ترکیب دیا گیا ہے۔

ایک اور مثال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم کے متعلق
میں عرض کر رہا تھا کہ بڑے بڑے اہم اور ادق
مسائل کو سرکار نے چھوٹی چھوٹی مثالیں دے کر اس طرح سمجھایا ہے کہ
عرب کے بدو جو ہر قسم کی تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے وہ دنیا کے
استاد بن گئے اور آج اگرچہ مسلمانوں کے پاس سیاسی پولیٹیکل اقتدار
باقی نہ رہا لیکن جہاں تک اسلامی تہذیب کا سوال ہے اس کے
سامنے دنیا کے ارباب عقول اور اہل علم اور بڑے بڑے فلاسفہ و حکماء
اسی طرح مغلوب ہیں جس طرح باطل ہمیشہ حق کے سامنے مغلوب رہا ہے۔
میں نے چند تمثیلات آپ کو سنائی تھیں اس سلسلے میں حضرت
حق کی مسرت اور ان کے خوش ہونے کی بھی ایک مثال کا ذکر آگیا تھا
اور وہ بات اتنی طویل ہو گئی کہ آپ کو تو یاد بھی نہ رہا ہو گا کہ بات کہاں
سے شروع ہوئی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز اور
آپ کے معجزات کی بحث میں یہ چیز آئی تھی کہ اگر ہمارے تعلیمیافتہ
بھائی معجزات کے قائل نہیں۔ تو کیا تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں ایک
پست قوم کو اتنا بلند کر دینا اور نا آشنائے فطرت کو آشنائے فطرت بنا دینا
بھی اعجاز نہیں ہے؟ یہ دوسری بات ہے کہ نبوت کے دلائل اور اثبات
نبوت میں معجزات کو دخل ہے یا نہیں۔
میں اس وقت اس بحث میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا یہ ایک کھلی

ہوتی حقیقت ہے کہ پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی ہمیشہ معقول دلیل تلاش کیا کرتے ہیں، وہ خرق عادات یا معجزات و کرامات سے متاثر نہیں ہوا کرتے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو دلائل کے سمجھنے سے عاری ہے اس کا مقابلہ معجزات اور خرق عادات سے ہی ہو سکتا ہے وہ دلائل کو کیا جانیں اس لئے یہ دعویٰ کہ اثبات نبوت میں معجزات کو کوئی دخل نہیں ایسا ہی لغو اور مہمل ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جس کے پاس معجزہ نہ ہو وہ نبی نہیں یا جس کے پاس کرامت نہ ہو وہ ولی نہیں دلائل نبوت میں معجزات اور خرق عادات کو من وجہ دخل ضرور ہے۔

بہرحال معجزات کی بحث کے سلسلے میں حضورؐ کی تعلیم کا ذکر آ گیا تھا، تعلیم کے ذکر میں طریقہ تعلیم کی بحث آ گئی، طریقہ تعلیم میں ایک شعبہ تمثیلات کا بھی تھا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر بعض مشکل سے مشکل مسائل کو ایسا حل کر دیا جن کا سمجھنا آسان نہ تھا۔ اگرچہ اس قسم کی صدہا مثالیں قرآن اور احادیث میں ملتی ہیں لیکن میں نے ان میں سے چند امثلہ کا ذکر آپ سے کیا تھا۔ اس میں بحث طویل ہو گئی ان تمام امثلہ کا ذکر تو اس وقت ناممکن ہے مگر ایک دو مثالیں اور سن لیجئے، اس کے بعد میں تقریر ختم کر دوں گا۔

مومن اور منافق کی مثال

میں نے ابھی آپ سے عرض کیا تھا کہ مومن پر مصائب آتے رہتے ہیں اور منافق یا فاسق و فاجر کو مہلت ملتی رہتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے بعض دفعہ سمجھدار آدمی بھی متاثر ہو جاتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں لیکن

مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اور فلاں شخص نافرمانی کرتا ہے لیکن اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچی اور وہ مزے کرتا پھرتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی نہایت اہم ہے طبیعت انسانی یہ چاہتی ہے کہ جب میں نیک کام کر رہا ہوں تو مجھ کو آرام ملنا چاہئے اور بروں کو تکلیف پہنچنی چاہئے۔ جب اس کے خلاف دیکھتا ہے تو متاثر ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں بھی وفاداروں کی پرستش نہیں ہے۔ سرکارؐ فرماتے ہیں حوادثات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے مومن کی مثال ایسی ہے جیسے ہری کھیتی اور منافق کی مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا درخت۔ ہری کھیتی کو معمولی ہواؤں کے جھونکے بھی پریشان کرتے رہتے ہیں۔ ہری کھیتی گرتی ہے اور سنبھل جاتی جب ہوا چلے تو جھک جاتی ہے۔ پھر سیدھی ہو جاتی ہے لیکن صنوبر کا درخت جب گرتا ہے تو جڑ سے اکھڑ کر گر جاتا ہے اور اس کو سنبھلنا نصیب نہیں ہوتا۔ اگرچہ معمولی ہوائیں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں لیکن جب کبھی گرتا ہے تو جڑ سے ہی گر جاتا ہے۔ اس مثال میں ایک ایک بہت بڑے فلسفے کو حل فرما دیا ہے تاکہ مسلمان ان حوادثات سے متاثر نہ ہو جو روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں اور کسی منافق یا فاسق کے عیش سے کوئی اثر قبول نہ کرے کیونکہ منافق کو جب پکڑا جاتا ہے تو ایک دفعہ ہی پکڑا جاتا ہے اور اس کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ مومن پر اگرچہ متواتر مصائب آتے رہتے ہیں لیکن اس کو قائم رکھا جاتا ہے اور جڑ سے اکھیڑ کر نہیں پھینکا جاتا۔

حضرات! ان تمثیلات میں جو نکات و لطائف ہیں وہ عجیب و غریب ہیں جن کا یہ وقت نہیں ہے۔ اب رات بھی زیادہ آگئی ہے اور میں تھک بھی گیا ہوں پھر ان شاء اللہ اگر زندگی رہی تو کسی دوسرے موقع پر عرض کروں گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اور مجھ کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر کرے۔

اللھم صل علی سیدنا و مولٰنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین۔ اللھم اصلح امۃ سیدنا و مولٰنا محمد اللھم ارحم امۃ سیدنا و مولٰنا محمد۔ اللھم فرج عن امۃ سیدنا و مولٰنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایمان کو تازہ رکھنے والی ہماری مطبوعات

- ایک طالب حق کو حق کی تلاش۔
- مدینہ طیبہ میں یتیم بچے کی غم و آلام سے پُر عید۔
- رحمۃ للعالمین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
- شیر خدا کی بیٹی سیدہ زینبؓ کی روضۂ رسولؐ پر حاضری۔
- حضرت امام حسینؓ اور شہدائے کربلا کے چشم دید واقعات کا بیان۔
- انسانیت کی تاریخ میں ظلم اور بربادی کا سب سے بڑا واقعہ

اور اسی قسم کے ڈیڑھ درجن کے قریب تاریخ اسلام کے سچے واقعات حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی زبان میں

مضامین احمد سعید (نیا ایڈیشن)

کے نام سے شائع ہو گئے ہیں تقریباً دو سو صفحات سفید چکنا کاغذ کتاب مجلد اور رنگین ڈسٹ کور۔ قیمت صرف دو روپے پچاس پیسے

رسولؐ کی باتیں

اس کتاب میں تقریباً بیس عنوان ہیں جس میں توحید رسالت۔ قرآن۔ قیامت۔ عالم برزخ۔ قبر کا عذاب۔ نکیرین کی پوچھ گچھ۔ تقدیر۔ کتب آسمانی اور ملائکہ۔ علم کے فضائل۔ طہارت کا صحیح طریقہ۔ مسواک کی شرعی اہمیت۔ غرض یہ ہے کہ ہر عنوان کے تحت میں اس کی مناسبت سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ جو حدیث جس جگہ سے لی گئی ہے اس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے صفحات ۲۲۵ قیمت دو روپے پچیس پیسے علاوہ محصول ڈاک۔

خدا کی باتیں

کم و بیش تقریباً آٹھ سو احادیث قدسیہ کا یہ ترجمہ ہے جو مولانا نے سلیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے۔ بعض بعض مقامات پر احادیث کے مطالب کی توضیح بھی فرما دی ہے۔ یہ کتاب مولانا کی ایک دینی خدمت کے علاوہ قید خانہ کی یادگار بھی ہوگی۔ یہ کتاب حضرت مولانا نے اعظم گڈھ جیل میں مکمل کی۔ قیمت تین روپے پچاس پیسے علاوہ محصول ڈاک۔

جنّت کی کنجی

ملاحظہ کیجئے جسے حضرت مولانا نے احادیث کی معتبر کتابوں سے تالیف فرمایا ہے۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے۔ ہر انسان مرد و عورت کے لئے اسکا مطالعہ بیحد ضروری ہے۔ اس میں بہت سی آسان باتیں درج ہیں جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں۔ اور جن پر عمل کرنے سے آپ جنت کے حقدار بنجائیں گے۔ اس کتاب میں تقریباً ...۲ حدیثوں کا نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے جن میں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے اور پوری کتاب تقریباً ..۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت چار روپے پچاس پیسے مجلد علاوہ محصول ڈاک۔

دوزخ کا کھٹکا

اس کتاب میں ان احادیث کا صاف اور شستہ اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جن کا تعلق اعمال سیئہ سے ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کے لئے جو اعمال سیئہ اور خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں جن الفاظ میں وعید فرمائی ہے، اور خدا کے غضب سے ڈرایا ہے۔ ان تمام احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کر دیا ہے۔ دوزخ کے کھٹکے میں تقریباً ۱۸۸۴ حدیثوں کا ترجمہ ہے۔ قیمت دو روپیہ پچہتر پیسے مجلد علاوہ محصول ڈاک۔

دوسری تقریر سیرت

مولانا کی یہ دوسری تقریر سیرت وہ ہے جو آپ نے ناگپور میں کی تھی۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی تبلیغی مشکلات اور مخالفین کے درد انگیز مظالم اور آپ کے صبر و تحمل کا دیگر انبیاء سابقین سے مقابلہ اس قدر دلچسپ اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض احادیث کی تشریح و توضیح قرآنی آیات کی تفسیر اور بعض تفسیری شبہات کا حل اور صدہا نکات و لطائف اور تصوف کے مسائل اس خوبی سے عام فہم اردو میں بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل اس مختصر اشتہار میں ظاہر نہیں کی جا سکتی۔ قیمت تین روپے مجلد علاوہ محصول ڈاک۔

تقاریر

حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کی آج سے پندرہ بیس سال پہلے کی تقاریر کا یہ مجموعہ ہے یہ انقلابی تقاریر جنہوں نے ہندوستان میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ ہندوستان کی آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ قیمت دو روپے مجلد علاوہ محصول۔ اس کتاب کا پاکستان میں داخلہ بند ہے

رسول اللہ ؐ

یہ آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر جامع اور عام فہم سوانح عمری ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں تقریباً سو سے زیادہ عنوان قائم کر کے ہر ہر عنوان کے تحت ضروری واقعات لکھے گئے ہیں۔ اگر اس کتاب کے متعلق یہ کہا جائے کہ سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ قیمت صرف ۱۸/ (ایک روپیہ کیا ہس پیسے) علاوہ محصول ڈاک۔

بزرہ کی باتیں یہ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو آپنے مختلف مواقع پر اور مختلف موضوعات پر آل انڈیا ریڈیو پر کیں جس کو ریڈیو سننے والے حضرات نے بہت زیادہ پسند کیا ہے قیمت مجلد ۱/۳۰

شوکت آرا بیگم یہ حضرت مولانا کا ایک مذہبی ناول ہے جو آپنے اب سے بیس پچیس سال قبل لکھا تھا جس کا پہلا ایڈیشن خاموش تبلیغ کے نام سے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکا تھا ایک عرصے سے یہ کتاب نایاب تھی۔ اب اسکا جدید ایڈیشن شوکت آرا بیگم کے نام سے بہترین ڈسٹ کور کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ۲/۵۰ مجلد علاوہ محصول

مشکل کشا حضرت مولانا نے تمام مصروفیتوں اور طویل علالت کے باوجود سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد قلم اٹھایا اور ایک بہت بڑا ذخیرہ عربی سے اردو میں منتقل کر دیا یعنی اوپر عربی مع دعا ہے اور نیچے اس کا عام فہم بامحاورہ ترجمہ ہے۔ وظیفہ پڑھنے کے اوقات اور شمار وغیرہ کو بھی شامل کر دیا ہے۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے ۲/۵۰ علاوہ محصول

ماہ رمضان اس میں روزہ اور اعتکاف شب قدر وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو سکیگا کہ کن کن چیزوں کا روزہ کی حالت میں استعمال حرام ہے اور کن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کس حالت میں قضا واجب ہوتی ہے اور کس میں نہیں۔
قیمت دو روپیہ صرف مجلد علاوہ محصول ڈاک۔

صلوٰۃ وسلام حضرت مولانا نے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی وہ تمام ہدایات لکھا جمع فرما دی ہیں جو درود و سلام کے فضائل پر مشتمل ہیں قیمت ۱/۰

مکمل و مدلل ہفت سورہ بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔ پہلی بات یہ اس کی سورتوں کا عام فہم ترجمہ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر سورت کے پڑھنے کا طریقہ اس کا نقش اور سورت کا تعبیر خواب بھی اس میں موجود ہے۔ سورتوں کے بعد قرآنی دعاؤں کا ذخیرہ بھی اس میں شامل ہے۔ قرآنی دعاؤں کیساتھ حدیث کی دعاؤں کا بھی بہت بڑا ذخیرہ اس کے ساتھ شامل کردیا ہے۔ ہدیہ مجلد تین روپے علاوہ محصول

تفسیر سورۂ یونس ع قیامت۔ قرآن کا کلام الٰہی ہونا۔ نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنے۔

تفسیر سورۂ یوسف ع حضرت یعقوب علیہ السلام کو صبر کا کیسا اچھا بدلہ ملا۔ ہدیہ ایک روپیہ (عہ/ر)۔

تفسیر سورۂ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ۔ ہدیہ ایک روپیہ علاوہ محصول

تفسیر سورۂ انبیاء و حج پیغمبر کے مذاق اڑانے والوں کی مذمت حق و باطل کی جنگ۔ حق کی فتح۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنہ

تفسیر سورۂ کہف و مریم جو شخص سورۂ کہف پڑھیگا اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستی کے خلاف وعظ۔ ہدیہ صرف ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/) علاوہ محصول ڈاک۔

تفسیر سورۂ اعراف اقوام عالم کو دعوت الی القرآن دی گئی ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنے۔

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی ترجمہ کا عام فہم

قرآن شریف

اٹھارہ سال کی مسلسل کوشش کے بعد خدا کا شکر ہے کہ آپ عام فہم ترجمہ اور ترجمہ کا خلاصہ تیسیر القرآن جو حاشیہ پہ ہے لکھنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ کے عام فہم ترجمہ اور تفسیر کا خلاصہ جو حاشیہ پر ہے اس کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس کے پڑھنے کے بعد پھر کسی اردو کی تفسیر کی مدد سے قرآن شریف کا مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فوراً نمونہ منگا لیجے۔

قرآن کی باتیں

مسلمانوں کے زوال کے اسباب صرف یہ ہیں کہ انہوں نے قرآن کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ پھر دنیا میں سرخروئی حاصل ہو تو صرف ایک نسخہ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کی اشاعت قرآن کے احکام پر عمل۔ قرآن کریم کو سمجھ کر تلاوت کرنا دنیا و آخرت میں ذخیرہ کرنا۔ قرآن کریم کے احکامات جاننے کیلئے "قرآن کی باتیں" منگا کر ملاحظہ کریں جس میں اہل قلم حضرات کے جامع مضامین ہیں مجلد قیمت ۵۰/۱

اسلام کی بہادر بیٹیاں

کتاب "اسلام کی بہادر بیٹیاں" سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے صفحات چھیانوے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ۵۰/۱ علاوہ محصول ڈاک۔

حسین رضی اللہ عنہ ہر امتحان میں پورے اترے

حسینؓ! میرے پاس دولت نہیں کہ دنیا کی طرح تقسیم کروں۔ میرے پیارے بچے میں تجھ کو وصیت کرتی ہوں، سخت سے سخت مصیبت میں بھی کسی غلط راستے پر قدم نہ دھرنا توحید و رسالت کے خلاف زبان کسی لفظ سے آشنا نہ ہو خدا کے نام پر مجھ جیسی ماں بھی قربان کرنی پڑے اور نانا کے نام پر علیؓ جیسا باپ بھی نثار کرتے وقت تیرے قدم نہ ڈگمگائیں۔ افلاس میں ماں کے فاقے اور نانا کی بھوک کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ اور میدان میں باپ کی تلوار پیش نظر رہے
یہ چند جملے کہنے کے بعد سیدہ فاطمہؓ ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گئیں۔ لیکن حسینؓ نے میدان کربلا میں والدہ کی وصیت کا ایک ایک لفظ پورا کر دکھایا اور ہر امتحان میں پورے اترے اور حسینؓ آج بھی زندہ ہے لیکن دشمن کا کہیں پتہ نہیں حق و صداقت کا سر بلند ہے لیکن باطل شرمندہ اور سرنگوں ہے۔ انصاف کی آج بھی قدر ہے لیکن ظلم ذلیل و خوار ہے۔ خدا پرست آج بھی مطمئن ہیں۔ لیکن باطل پرست آج بھی ڈانواڈول ہیں۔ حسینؓ کامیاب ہے اور اس کے دشمن ناکام و نامراد ہیں ۔۔ امام حسینؓ کی شہادت کے دل ہلا دینے والے صحیح واقعات فاطمہ کے چاند میں ملاحظہ فرمایئے جنکو حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت نے قلمبند کیا ہے۔ قیمت مجلد ۲/۲۵

نماز کی باتیں

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب مفسر قرآن فرماتے ہیں ایک عرصہ سے میری خواہش تھی کہ نماز کے متعلق اردو میں کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں نماز پر سیر حاصل بحث کی گئی ہو اور نماز کے متعلق آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تاکید

الفاظ فرمائے ہوں، اور نماز ادا کرنے پر جو وعدے اور بشارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوں وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اسی طرح تارکین نماز کے حق میں جو وعیدیں منقول ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر دی جائیں تاکہ کتاب پڑھنے والوں کے سامنے ہر چیز آجائے۔ وعدہ اور وعید دونوں سے پڑھنے والا آشنا ہو جائے چنانچہ میرے دیرینہ دوست اور کرم فرما حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار کا میں بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ حضرت مولانا کی محنت کا اندازہ آپ اس کتاب کو مطالعہ کرتے وقت کر سکتے ہیں کہ حضرت نائب امیر شریعت نے نماز پر کس قدر جامع کتاب تصنیف فرمائی ہے قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے مجلد۔

ایمان کی باتیں

انسانی زندگی میں ایمان کا جو مقام ہے وہ کسی سمجھدار انسان سے پوشیدہ نہیں لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ کس کس چیز پر ایمان لانا ضروری ہے اور ایمان کے بغیر بھی کوئی عمل اللہ کے نزدیک قابل قبول ہو سکتا ہے کہ نہیں، اس موضوع پر اردو میں کوئی مکمل کتاب نہیں تھی جو عقائد کو تفصیل کے ساتھ بیان کر سکے اور خواص کے ساتھ عوام بھی اس کتاب سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں میں یہ بات مسرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں اس کمی کو دینی بکڈپو نے محسوس کیا اور حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار سے درخواست کی کہ حضرت اس اہم موضوع پر قلم اٹھائیے تاکہ ایمان جیسی اہم چیز جو دین اسلام کی بنیاد ہے سب کو معلوم ہو سکے کہ وہ کیا ہے۔ ہر مسلمان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے قیمت مجلد [illegible] ایک کارڈ بھیجکر مکمل فہرست منگائیے۔

دینی بک ڈپو۔ اردو بازار۔ دہلی